١٣٢٤
١٠٢٤

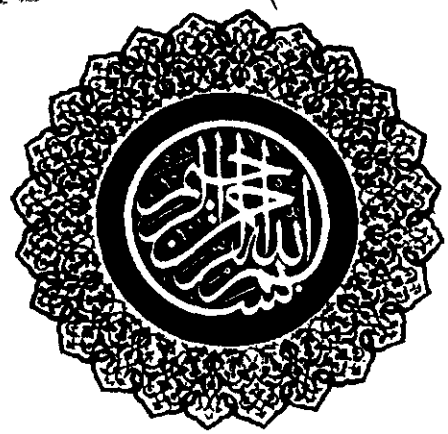

امام محمد تقی علیہ السلام

امام محمد تقی علیه السلام / [نویسنده موسسه البلاغ]؛ مترجم احتشام عباس زیدی. ـ تهران: الهدی، ۱۳۷۹.
۱۴۵ ص
ISBN: 964 - 472 - 251 - 5
فهرستنویسی بر اساس اطلاعات فیپا.
عنوان اصلی: الامام الجواد علیه السلام.
اردو
۱. محمد بن علی (ع)، امام نهم، ۱۹۵ ـ ۲۲۰ ق. الف. موسسه البلاغ. ب زیدی، احتشام عباس، مترجم.
BP۴۸/الف ۸۰۴۶ ۲۹۷/۹۵۸۲ ۱۳۷۹ کتابخانه ملی ایران ۲۵۳۰ ـ ۷۹ م

انتشارات بین المللی الهدیٰ
تهران ـ صندوق پستی: ٤٣٦٣ ـ ١٤١٥٥
تلفن: ٦٤٠٦٢٦١ فاکس: ٦٤٠٦٢٤٠

نام کتاب: امام محمد تقی علیه السلام
مترجم: سید احتشام عباس زیدی
ناشر: انتشارات بین المللی الهدی
سال طبع: ۱۴۲۱ هـ ق
نوبت چاپ: اول
تیراژ: ۳۰۰۰ نسخه
قیمت: ۵۰۰۰ ریال
شابک: ISBN: 964 - 472 - 251 - 5
حق چاپ برای ناشر محفوظ است.

فہرست

عرض ناشر	۷
شجرۂ مبارکہ	۹
امام محمد تقی علیہ السلام	۲۵
امام رضاؑ کے خطوط امام جوادؑ کے نام	۳۱
اسلام میں امامت کا تصور	۳۷
امام جواد علیہ السلام کی امامت	۵۹
امامؑ کا علمی مرتبہ	۷۵
امامؑ کے زمانے کی سیاست	۸۵
امام محمد تقیؑ کے عہد کے انقلابات	۸۹
امامؑ کی الٰہی سیاست	۹۳
۱- خطوط	۹۳
۲- وصیتیں اور روایتیں	۱۱۵
حضرت کے کچھ ارشادات	۱۲۹
حوالے	۱۳۷

عرض ناشر

حضرت رسول اکرمؐ اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی پاکیزہ حیات ہر عہد و عصر کے انسانوں کے لئے بہترین سر مشق اور نمونۂ حیات ہیں اور یہ وہ حقیقت ہے جس کی حکایت قرآن کریم بھی کرتا ہے" **لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ** "(احزاب / ۲۱) پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ معصومینؑ کے علاوہ قرآن حکیم، حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام کی طیب و طاہر حیات کو بھی بنی نوع انسان کے لئے نمونۂ عمل قرار دیتا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے " **قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم و الذین معہ** "

در حقیقت ایک مکتب فکر اس وقت تک محکم و پائیدار نہیں ہو سکتا اور لوگوں کے دل میں اپنی جگہ بنا سکتا، اگر اس میں کوئی آئیڈیل یا نمونۂ عمل نہ ہو. اس روشن حقیقت سے نہ صرف دینی مکاتب فکر آگاہ ہیں بلکہ اس کی اہمیت سے بے دین اور الحادی مکاتب فکر بھی نہ صرف آشنا ہیں بلکہ اس سے

بھر پور فائدہ اٹھاتے ہیں اور نسلوں و قوموں کو انہی ہتھکنڈوں سے گمراہ کرتے ہیں اور آج الحادی دنیا اس روش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ثقافتی و تہذیبی شبخون کے ذریعہ قوموں، تہذیبوں اور جوان نسلوں کو تباہ و برباد کرنے پر تلی ہوئی ہے۔

ہم جو کہ مسلمان ہیں اور قرآن کریم کے دستور پر عمل کرتے ہیں اور قرآن ہمیں " لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ " کے ذریعہ انسانیت بلکہ پوری خلقت کے بہترین نمونوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور ان کے زندگیوں کو اپنے لئے نمونہ حیات بنانے کی تاکید کرتا ہے اور یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ حضرت آدمؑ سے صبح قیات تک مردوں کی صنف میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام اور عورتوں کی صنف میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا جیسی شخصیتوں کی کوئی مثال نہیں، تو ہمیں چاہیئے کہ ان ذوات مقدسہ کی زندگیوں سے آگاہی حاصل کریں اور ان کے کردار سے خود کو مزین کریں۔

زیر نظر کتاب حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی حیات طیبہ کا ایک جائزہ ہے امید ہے کہ اہل ایمان اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی دنیا و آخرت کو روشن و تابناک بنائیں گے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شجرۂ مبارکہ

" انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا "(۱)

(احزاب آیت ۳۳)

بے شک اللہ چاہتا ہے کہ اے اہل بیتؑ تم سے ہر رجس کو دور رکھے اور تمہیں ایسا پاک و پاکیزہ رکھے جیسا کہ رکھنے کا حق ہے۔

" قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ و من یقترف حسنۃً نزد لہ فیھا حسناً "

(سورہ شوریٰ آیت ۲۳)

کہہ دیجئے اے رسول! کہ مجھے رسالت کی اجرت نہیں چاہیئے سوائے اس کے کہ تم میرے اہل بیتؑ سے محبت رکھو۔ اور جو

شخص نیک کام کرے گا ہم اس کی نیکیوں میں اضافہ کرینگے۔

خاندان رسالت طول تاریخ میں ایک جاودانی کلمہ اور آسمانی لبدیت و سرفرازی میں ایک ایسا روشن و درخشان عنوان ہے جس کی قداست و پاکیزگی ہمیشہ مسلمانوں کے ورد زبان رہی ہے۔ ان کے دلوں میں ان سے وفا و محبت کا جذبہ رہا ہے اور مسلمانوں کے دل بڑے ہی شوق و محبت سے ان کی جانب مائل ہوتے ہیں تمام ملتیں ان کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتی ہیں اور حیرت زدہ رہ جاتی ہیں۔

قرآن کریم نے اس جاودانی نام کو اپنے پیغمبرؐ کو مخاطب قرار دیتے ہوئے یوں استعمال کیا ہے۔

" انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت و یطهر کم تطهیراً "

اس آیت کی تفسیر خود سرکار رسالتؐ نے اپنے ذمہ لی ہے تاکہ امت کو یہ بتادیں کہ اہل بیتؑ کون ہیں ؟

منقول ہے کہ پیغمبر خداؐ اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد چھ ماہ تک صبح کی نماز کے وقت علی بن ابی طالبؑ فاطمہ زہرا(س) اور حسنین علیہم السلام کے بیت الشرف پر تشریف لے جاتے تھے اور یہ ارشاد فرماتے تھے :

" الصلاة اهل البيت ... انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت و يطهر كم تطهيراً "(۲)

یعنی اے وہ خاندان جس کے بارے میں خدا نے یہ فرمایا ہے کہ اللہ چاہتا ہے اھل بیت تم سے ہر رجس کو دور رکھے اور تمہیں اس طرح پاک رکھے جو پاک رکھنے کا حق ہے۔ وقت نماز ہے۔ قرآن مجید نے ایک اور مقام پر اس پاک خاندان کا ذکر کیا ہے اور ان کی محبت و ولایت کو مسلمانوں پر لازم و واجب قرار دیا ہے ارشاد ہوا ہے :

" قل لا اسئلكم عليه اجراً الا المودة فى القربىٰ و من يقترف حسنة نزد له فيها حسناً "

اس آیت کریمہ میں بھی نبی کریمؐ نے آیت کی تفسیر میں یہ فرمایا ہے کہ وہ کون حضرات ہیں جن کی محبت و اطاعت سب پر واجب ہے اور سب کو چاہیئے کہ ان کے راستے پر چلیں۔

مفسرین محدثین اور سیرت نگاروں نے نقل کیا ہے کہ اس آیت میں ذوی القربیٰ سے مراد علی بن ابی طالب ، فاطمہ زہرا، امام حسن اور امام حسین علیہم السلام ہیں۔

تفسیر کشاف میں مشہور مفسر زمخشری کی عبارت یہ ہے کہ نقل ہے کہ کچھ مشرک کہیں جمع تھے ان میں سے کسی نے پوچھا کہ محمدؐ جو کام

کرتے ہیں اس کی اجرت بھی لیتے ہیں یا نہیں ؟

اس وقت یہ آیۂ کریمہ نبی کریمؐ پر نازل ہوئی ۔

" قل لا اسئلکم علیه اجراً الا المودة فی القربیٰ "(۳)

اس کے بعد زمخشری لکھتا ہے جب یہ آیت پیغمبرؐ پر نازل ہوئی تو حضورؐ سے پوچھا گیا کہ آپ کے وہ اقرباء جن کی محبت ہم پر واجب ہے کون ہیں ؟ حضورؐ نے فرمایا : علی، فاطمہ، حسن و حسین علیہم السلام

علامہ بحرانی مسند احمد بن حنبل سے ابن عباس کا قول نقل کرتے ہیں : جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول خداؐ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کے اقربا جن کی محبت ہم پر لازم ہے کون ہیں ؟

فرمایا : علیؑ و فاطمہؑ اور ان کے دو فرزند۔(۴)

طبری نے بھی ابن عباس سے یوں نقل کیا ہے کہ جس زمانہ میں یہ آیت نازل ہوئی اس وقت لوگوں نے نبی کریمؐ سے پوچھا : آپ کے وہ اقربا جن کی محبت ہم پر فرض ہے کون ہیں ؟ پیغمبرؐ نے فرمایا : علیؑ و فاطمہؑ اور ان کے دو فرزند اس قول کو احمد نے بھی "مناقب" میں ذکر کیا ہے(۵)

اور ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور طبرانی نے "معجم کبیر" میں نقل کیا ہے کہ ابن عباس نے کہا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو لوگوں

نے نبی کریمؐ سے پوچھا : آپ کے اقربا کون ہیں ؟ آنحضورؐ نے فرمایا : علیؑ و فاطمہؑ اور ان کے دو فرزند۔(۶)

اور اسی کتاب میں صحیح سند کے ساتھ امام گیارہویں حسنؑ بن علیؑ سے نقل ہے کہ آپ نے ایک خطبہ میں لوگوں سے ارشاد فرمایا :

" انا من اهل البيت الذين افترض الله مودتهم على كل مسلمٍ فقال : قل لا اسئلكم عليه اجراً الاّ المودة فى القربىٰ "

میں اس خاندان سے ہوں جس کی محبت کو خداوند عالم نے ہر مسلمان پر واجب کیا ہے اور فرمایا ہے : کہ کہدو کہ مجھے اجر رسالت کے طور پر اقربا کی محبت کے علاوہ کچھ نہیں چاہیئے۔

خداوند متعال کی مرضی ہے کہ نسل پیغمبرؐ کو حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے ذریعہ محفوظ رکھے اور اس سلسلہ کو دوام بخشے لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید نے فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے فرزندوں کو پیغمبر اکرمؐ کے فرزند قرار دیتے ہوئے آیۂ مباہلہ میں فرمایا ہے :

" فَمَن حَاجَّكَ فيه مِن بَعدِ مَا جَآئَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُل تَعَالوا نَدعُ اَبْنَائَنَا وَ اَبْنَائَكُمْ وَ نِسَائَنَا وَ نِسَائَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِل فَنَجْعَل لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلىٰ الْكَاذِبِيْن "

آل عمران آیت ۶۱

پس وحی کے ذریعہ علم آجانے کے بعد جو لوگ آپ سے
حضرت عیسیٰ کے بارے میں بحث و مجادلہ کریں تو ان سے کہہ
دیجئے کہ تم اپنے فرزندوں کو لاؤ ہم اپنے فرزندوں کو لائیں تم
اپنی عورتوں کو لاؤ ہم اپنی عورتوں کو لائیں اور تم اپنے نفسوں
کو لاؤ ہم اپنے نفسوں کو لاتے ہیں پھر ایک دوسرے پر بد دعا
کرتے ہیں تاکہ جو جھوٹا ہے اس پر خدا کا عذاب نازل ہو۔

مفسرین و محدثین کا اتفاق ہے کہ مذکورہ آیۂ کریمہ میں خداوند متعال نے اپنے نبیؐ کو حکم دیا ہے کہ نجران کے وہ نصاریٰ جو پیغمبرؐ پر گفتگو کے ذریعے ایمان نہیں لائے ان کے خلاف مباہلہ کریں اور یہ دستور دیا کہ علی و فاطمہ اور حسنین علیہم السلام کو اپنے ہمراہ لے کر صحرا کی طرف تشریف لے جائیں اور نصاریٰ بھی اپنے فرزندوں اور عورتوں کو لے کر نکلیں اور بد دعا کریں۔ پھر جس کی دعا قبول ہو گی وہ سچا ہو گا اور جو عذاب و انتقام کا شکار ہو گا جھوٹا کہلائے گا۔ بہر کیف جب سب کے سب نکل آئے اور علمائے نصاریٰ نے دیکھا کہ پیغمبر اکرمؐ اپنے اہل بیتؑ کے ساتھ مباہلہ کی غرض سے صحرا میں آگئے ہیں تو وہ خوف زدہ ہو گئے اور ان کے بزرگوں نے کہا: اے نصاریٰ! میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر خداوند عالم کسی پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا کر چکنا چور کرنا چاہے تو ان کے وسیلے سے کر دے گا۔ لہذا مباہلہ

نہ کرو اس لیے کہ تم نابود ہو جاؤ گے اور قیامت تک روئے زمین پر کوئی نصرانی باقی نہیں رہے گا۔ اس سے ہمیں معلوم ہو گیا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے اس عمل سے اپنی امت پر ثابت کر دیا اور تاکید فرمادی کہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیھا کے فرزند، خود ان کے فرزند اور ان کی ذریت ہیں۔ چنانچہ آنحضور سے منقول ہے:

" ذرية كل نبى من صلبه و ذريتى من ابنتى فاطمه "

ہر نبی کی نسل اس کی اپنی صلب سے چلتی ہے لیکن میری نسل میری بیٹی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیھا سے چلی ہے۔

اسی طرح حضور نے فرمایا:

" كُلُّ ابنِ اُمٍّ ينتمون اِلىٰ عُصبَتِهِم، اِلّا وَلَد فَاطِمَه، فَاِنِّى اَبُوهُمْ وَ عُصْبَتُهُمْ "

ہر بیٹے کو اس کے باپ، دادا کی طرف نسبت دی جاتی ہے صرف فاطمہ کے فرزندوں کو نہیں اس لیے کہ میں ان کا باپ ہوں اور ان کو مجھ سے نسبت ہے۔

اسی طرح حضورؐ نے فرمایا:

"لا تزول قد ما عبد حتى يسال عن اربع : عن عمره فيما افناه،و عن جسده فيما ابلاه،وعن ماله فيما أنفقه ومن اين اكتسبه،و عن محبتنا اهل البيت" (۷)

قیامت کے دن انسان کے ایک قدم اٹھانے سے پہلے ہی اس سے چار چیزوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ ۱- یہ کہ اس نے اپنی زندگی کو کس چیز میں فنا کیا ہے ؟ ۲- اعضاو جوارح سے کیا کیا کام لیے ہیں ؟ ۳- مال کہاں سے حاصل کیا اور کس طرح صرف کیا ہے ؟ ۴- اور ہم اہل بیتؑ کی محبت۔

حضرت امیر المومنینؑ نے بھی پیغمبرؐ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا :

" ادبوا اولادکم علی ثلاث خصال: حب نبیکم ، و حب اهل بیته، و علی قرائة القرآن، فان حملة القرآن فی ظل الله، یوم لا ظل الا ظله، مع انبیائه و اوصیائه ."(۸)

اپنی اولاد کی تین خصلتوں پر تربیت کرو : اپنے پیغمبرؐ کی محبت پر، ان کے اھل بیتؑ کی محبت پر اور قرآن کی تعلیم دے کر اس لیے کہ حاملان قرآن قیامت کے دن جس دن کوئی سایہ نہ ہوگا انبیاء واوصیائے الٰہی کے ساتھ رحمت خدا کے سائے میں ہوں گے۔

اہل بیتؑ سے دوستی و محبت اور ان کے تمسک کے سلسلہ میں اس قدر تاکید و تشویق اس لیے ہے کہ امت ان کی شخصیت اور عظمت کو پہچانے

اور پیغمبر اکرمؐ کے بعد ان کے گرد جمع ہو کر ان کے ذریعہ ہدایت پائے۔

پیغمبر اسلامؐ نے بھی حجۃ الوداع سے واپسی پر غدیر خم کے میدان میں اس عظیم مقصد کی وضاحت کرتے ہوئے لوگوں سے فرمایا:

" انی تارك فیکم الثقلین، کتاب الله و عترتی اهل بیتی، ما ان تمسکتم بهما لن تضلوا بعدی ابداً "(۹)

میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جارہا ہوں، ایک قرآن اور دوسرے میرے اھل بیتؑ۔ اگر تم ان دونوں سے متمسک رہو گے تو کبھی ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔

اگر کوئی اہل بیتؑ کی فکری و سیاسی تاریخ کا مطالعہ کرے تو اس ذمہ داری کی اہمیت کو بخوبی سمجھ سکتا ہے جس کے لیے انہوں نے زندگیاں بسر کیں، اور اس بات کو محسوس کرے گا کہ انہوں نے دین کے تحفظ اور اس کے دفاع میں کتنا موثر کردار ادا کیا ہے۔ وہ فکری حملے اور اغیار کے فلسفے جو کفار، ملحدین اور غالیوں نیز غیر اسلامی تہذیبوں کی طرف سے اسلامی معاشرہ پر ہوتے تھے ان سے مقابلہ یا معاشرہ میں اسلامی افکار کو مہمیز کرنے کے لیے ان کی علمی جدو جہد مثلاً علوم تفسیر، عقائد، فقہ، حدیث، فلسفہ، اخلاق اور سیاست وغیرہ کے اندر دین اور اسلامی فکر کو تحفظ بخشنے میں کس قدر موثر ثابت ہوئی ہیں۔

علمی و فکری کردار کے علاوہ اہل بیتؑ نے سیاسی کردار بھی ادا کیا ہے یعنی سیاسی حس کو بیدار کرنا اس کی تصحیح اور توازن بر قرار کرنا اسلام کی سیاسی تحریک کو آگے بڑھانا اور ظلم و تسلط اور خوف ورعب کے خلاف استقامت پیدا کرنا۔

جو شخص تاریخ اسلام پر انصاف کے ساتھ تحقیق کرے وہ ضرور اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ اہل بیتؑ اور ان کے چاہنے والوں کا کردار اور ان کی سیاسی تحریک ستمگروں اور ظالموں کے خلاف محاذ کی تشکیل اور سیاسی، سماجی واخلاقی اصلاح رہا ہے۔ لیکن افسوس کہ اسلامی تاریخ لکھنے والوں نے جو حکام وقت کی سیاست کے زیر اثر تھے اور ان کے مفادات کو پیش نظر رکھتے تھے انہوں نے پوری قوت کے ساتھ اس بات کی کوشش کی کہ اہل بیتؑ کے سیاسی کردار کو جان بوجھ کر چھپایا جائے ... بلکہ بعض راویوں نے تو عمداً فضائل اہل بیتؑ، ان کی منزلت اور امت پر اہل بیت رسولؐ کے حق نیز ان کے تاریخی آثار سے متعلق روایات کو سرے سے نقل ہی نہیں کیا ہے اور ظاہر ہے کہ کسی امت کی سیاسی و فکری تاریخ پر تحقیق کے لیے اس امت کی زندگی کے ہر دور اور مرحلہ کے تمام پہلوؤں بالعموم افکار و افعال اور طاقتوں کا جائزہ لینا ضروری ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ خاندان رسالت کے ذریعہ وجود میں آنے والی فکری، سیاسی اور انقلابی لہریں تاریخ کی قوی ترین لہریں

رہی ہیں۔ اسی طرح ان کے علمی خدمات بھی سب سے قوی اور محکم مکاتب فقہ و عقائد، حدیث و تفسیر و اخلاق وغیرہ کی شکل میں تاریخ کی زینت رہے ہیں۔

بلکہ رہبران اہل بیتؑ اپنے اپنے زمانہ میں ہر اسلامی قوم کے علماء اور روایان حدیث کے معلم و استاد رہے ہیں کہ تاریخ، رجال، سیرت، حدیث، فقہ اور دیگر علوم و معارف اس کے روشن گواہ ہیں۔ اسی طرح ائمہ معصومینؑ ان کی پیروی کرنے والے نیز ان کے فکری، فقہی اور سیاسی مکتب فکر سے استفادہ کرنے والے اس امت کے علم بردار اور تاریخ کے ہیرو شمار ہوتے ہیں... جو تاریخ آج لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اس پر دوبارہ تحقیق و دقت نظر کی ضرورت ہے اور اسے ایک بار پھر نئے سرے سے لکھا جانا چاہیئے تاکہ فضولیات اور خرافات سے پاک ہو جائے اور حقیقت جیسی تھی بیان کی جائے تاکہ اسلامی امت حقیقت کو پہچانے اور صحیح ماضی سے آگاہ ہو کر منصفانہ فیصلہ کرے اور صحیح موقف اختیار کرے۔

یہاں ہم خاندان رسالت کے پیشواؤں اور امت کے رہبروں کا نام بنام ذکر کرتے ہیں۔ یہ کتاب جو آپ کے ہاتھوں میں ہے اہل بیتؑ کے ان ہی پیشواؤں میں سے ایک شخصیت کے حالات زندگی پر مشتمل ہے جن کا نام نامی امام محمد تقی ہے آپ امام علی رضا علیہ السلام کے فرزند ہیں۔

اہل بیتؑ کے پیشواؤں کا سلسلہ حضرت علی علیہ السلام سے شروع ہوتا ہے جو حضرت فاطمہؑ بنت رسول خداؐ کے شوہر ہیں اور جس طرح قرآن اور پیغمبر اسلامؐ نے مشخص فرمایا ہے یہ حضرات اس ترتیت سے ہیں۔

۱- حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام آپ بعثت سے دس سال قبل پیدا ہوئے تھے اور ۴۰ھ کو شہادت کے درجہ پر فائز ہوئے۔

۲- حضرت حسن بن علی علیہما السلام آپ ۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۰ھ میں شہید کئے گئے۔

۳- حضرت حسین بن علی علیہما السلام آپ ۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۱ھ میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

۴- حضرت علی ابن حسینؑ امام زین العابدین علیہ السلام، آپ ۳۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۵ھ میں شہید کئے گئے۔

۵- حضرت محمد بن علی امام محمد باقر علیہ السلام آپ ۵۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۷ھ میں شہید کئے گئے۔

۶- حضرت محمد جعفر بن محمد امام جعفر صادق علیہ السلام آپ ۸۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۴۸ھ میں شہید کئے گئے۔

۷- حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام، ۱۲۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۳ھ میں شہید ہوئے۔

۸- حضرت علی ابن موسیٰ امام علی رضا علیہ السلام آپ ۱۴۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۳ھ میں شہید کئے گئے۔

۹- حضرت محمد بن علی امام محمد تقی علیہ السلام آپ ۱۹۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۲۰ھ میں شہید کئے گئے۔

۱۰- حضرت علی بن محمد امام علی نقی علیہ السلام آپ ۲۱۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۵۴ھ میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے ۔

۱۱- حضرت حسن بن علی امام حسن عسکری علیہ السلام آپ ۲۳۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۶۰ھ میں شہید ہوئے۔

۱۲- حضرت محمد بن علی امام مہدی علیہ السلام آپ ۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے ۔(آپ خدا کے حکم سے نظروں سے غائب ہیں اور غیبت کبریٰ میں ہیں جب خدا کا حکم ہوگا تو ظاہر ہوں گے اور زمین کو عدل و داد سے بھر دیں گے)

علمائے اسلام میں کوئی ایسا نہیں ہے جس نے تفسیر قرآن اور احادیث پیغمبرؐ کا مطالعہ کیا ہو اور اہل بیتؑ کی منزلت و مرتبہ سے آگاہ نہ ہوا ہو۔ وہ مرتبہ جسے قرآن نے بیان کیا ہے اور احادیث نے جس کی وضاحت کی ہے۔ علم رجال و سیرت و فقہ کے علماء و محدثین و راویان احادیث نے بھی ان حضرات کی عظمت اور علمی شخصیت سیاسی قیادت اور

امت میں ان کے اساسی و کلیدی کردار کی گواہی دی ہے۔ پوری تاریخ میں خصوصاً اموی اور عباسی دور حکومت میں اہل بیتؑ کے ان پیشواؤں اور ان کی پیروی کرنے والوں سے سخت دشمنی برتی گئی انھیں سماج سے دور کیا گیا اور ان پر ظلم روا رکھا گیا... پیغمبر اسلامؐ نے بھی بستر مرگ پر اپنے اہل بیتؑ سے ان تلخ حقائق کی طرف اشارہ کیا تھا اور فرمایا تھا:

"انتم المستضعفون بعدی" (۱۰)

تم لوگ میرے بعد ستم زدہ قرار پاؤ گے۔

لیکن اس طرح کے جملے کہنے سے پہلے آنحضرتؐ نے مسلمانوں سے اپنے اہل بیتؑ کے سلسلہ میں سفارش کی تھی اور اپنی وصیت میں یہ تاکید فرمائی تھی:

"ولکن احفظونی فی اهل بیتی"

میرے اہل بیتؑ کے سلسلہ میں میرے حق کی رعایت کرو۔

راوی حدیث عبداللہ نے نقل کیا ہے کہ ہم حضرت رسول خداؐ کی خدمت میں تھے کہ بنی ہاشم کا ایک جوان بزم میں وارد ہوا جب آنحضرتؐ نے اسے دیکھا تو آپ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ آپ کا چہرہ مبارک غمزدہ کیوں ہے تو پیغمبرؐ نے فرمایا:

" انا اهل بيت اختار الله لنا الآخرة على الدنيا و ان اهل بيتي سيلقون بعدي بلاء و تشريداً و تطريداً، حتى يأتي قـوم من قبل المشـرق معهم رايات سود، فيسألون الخيـر، فـلا يعطونه، فيقاتلون فينصرون، فيعطون ماسألوا، فلا يقبلونه، حتى يدفعوها الى رجل من اهل بيتي فيملؤها قسطا، كما ملؤوها جوراً، فمن ادرك ذلك منكم، فليأتهم ولو حبواً على الثلج. "(۱۱)

ہم اہلبیتؑ ہیں خدا نے ہمارے لئے دنیا پر آخرت کو اختیار فرمایا ہے، میرے بعد میرے اہل بیتؑ سختیوں میں مبتلا ہوں گے اور لوگ ان سے دور ہو جائیں گے، یہاں تک کہ مشرق کی سمت سے ایک گروہ جس کے ہاتھوں میں سیاہ پرچم ہوں گے خیر خواہی کے لئے آئے گا لیکن انھیں نیکی کا جواب نہ ملے گا، پس وہ جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے تو ان کی حمایت کی جائے گی یہاں تک کہ وہ جس چیز کے طلبگار ہوں گے انھیں دی جائے گی لیکن وہ اسے قبول نہ کریں گے آخر کار وہ ان (پرچموں کو) میرے اہل بیتؑ میں سے ایک شخص کے حوالہ کردیں گے اور وہ دنیا کو اس طرح عدل وداد سے بھر دیگا جس

طرح لوگوں نے اسے ظلم وجور سے بھر دیا ہے۔ پس جو شخص اس زمانہ میں ہو ان کے ہمراہ ہو جائے چاہے اسے برف پر چلنا پڑے)۔

بلا شبہ اسلامی امت اس حقیقت سے آگاہ ہے اور بعض شخصیتوں نے اسے صراحت کے ساتھ بیان بھی کیا ہے منجملہ ان میں سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ محمد بن جعفر علوی مالکیوں کے امام انس بن مالک کے پاس آئے اور انھوں نے مالک سے علویوں کے سخت حالات اور بد حالی کی شکایت کی تو مالک نے ان سے کہا:

اصبر حتی یجئ تفسیر هذه الآیه: " ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض و نجعلهم ائمة و نجعلهم الوارثین "

صبر کرو جب تک اس آیت کی تفسیر عملی شکل میں ظاہر نہ ہو جائے جس میں ارشاد ہے کہ " ہم نے ارادہ کر لیا ہے کہ دنیا کے ستائے ہوئے انسانوں پر احسان کریں انہیں امام قرار دیں اور زمین کا وارث بنائیں۔"(۱۲)

امام محمد تقی علیہ السلام

امام جوادؑ جن کا نام محمدؑ ہے آپ علی بن موسی الرضاؑ کے صاحب زادے ہیں آپ کا نسب مبارک امام رضا علیہ السلام کے ذریعہ حضرت علی بن ابی طالبؑ تک پہنچتا ہے اس بنا پر آپ بھی شجرۂ طیبہ محمدیؐ کی ایک شاخ اور سلسلۂ خاندان نبوت کو آگے بڑھانے والے ہیں آپ کی ولادت با سعادت ماہ رمضان مبارک ۱۹۵ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی تھی۔

آپ کی والدہ گرامی کا نام سبیکہ ہے، انہیں نوبیہ بھی کہتے ہیں کیونکہ آپ شہر نوبہ کی رہنے والی تھیں۔ ایک گروہ نے امام کی ولادت کے بارے میں ایک دوسری روایت نقل کی ہے جس میں آیا ہے کہ امام جواد علیہ السلام شب ۱۷ ر رمضان المبارک ۱۹۵ھ کو شب جمعہ اس دنیا میں تشریف لائے تھے۔

ایک روایت میں ابن عباس سے نقل ہے کہ حضرت کی ولادت ۱۵ رجب المرجب کو بروز جمعہ ہوئی اور آپ کی مادر گرامی کا نام ام ولد تھا جن کو

سبیکہ اور دوّہ بھی کہتے تھے بعد میں امام رضا علیہ السلام نے آپ کا نام خیزران بھی رکھا آپ شہر نوبہ کی رہنے والی تھی۔(۱۳)

خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ امام محمد تقی علیہ السلام پچیس سال تین ماہ اور بارہ دن کے تھے جب آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ آپ کی ولادت کا سال ۱۹۵ھ تھا۔(۱۴)

بہت سے مورخین و محدثین کا بیان ہے کہ امام جواد علیہ السلام کی ولادت رمضان المبارک ۱۹۵ھ میں ہوئی اور بعض حضرات کے مطابق آپ کی ولادت ماہ رجب میں ہوئی تھی لیکن شیخ کلینی کہتے ہیں کہ امام جوادؑ ماہ رمضان المبارک ۱۹۵ھ میں پیدا ہوئے تھے اور آخر ذیقعدہ ۲۲۰ھ میں اس دنیا سے رخصت ہوئے کہ آپ کی عمر مبارک پچیس سال دو ماہ اور سترہ روز تھی اور آپ اپنے جد بزرگوار امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے پہلو میں بغداد کے قبرستان قریش میں دفن کئے گئے۔

آپ کے سال وفات کے شروع ہی میں معتصم نے زبردستی امامؑ کو بغداد بلوایا تھا۔ آپ کی والدہ ام ولد تھیں، جن کو سبیکہ اور نوبیہ بھی کہتے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا نام خیزران تھا۔ یہ بھی روایت ہے کہ وہ جناب ماریہ کے خاندان کی تھیں جناب ماریہ حضرت ابراہیم کی والدہ تھیں جو حضرت رسول اکرمؐ کے صاحبزادے تھے۔(۱۵)

امام جواد علیہ السلام اپنے جد بزرگوار کے شہر مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور اپنے پدر بزرگوار حضرت علی رضاؑ کے زیر سایہ اخلاق امامت، عظمت اسلامی، امت کی قیادت اور علوم و احکام دین کی استعداد سے بہرہ مند ہوئے۔ آپ کی والدۂ گرامی روایات کے مطابق آپ کے بابا حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی کنیز تھیں۔

امام جواد علیہ السلام اس دور میں پیدا ہوئے جب نئے نئے حادثات رونما ہو رہے تھے، سیاسی رسہ کشی عروج پر تھی اور ہارون رشید کے بیٹوں امین و مامون میں جنگ شدت اختیار کر چکی تھی۔ چنانچہ امامؑ کی ولادت ۱۹۵ھ یعنی اس سال ہوئی جب مامون کی بیعت کی گئی اور امین کو معزول کیا گیا تھا، البتہ امین کے پاس ابھی کچھ طاقت باقی تھی۔ سیاسی حادثات اور دو عباسی حکمراں بھائیوں کی جنگ ابھی ختم نہیں ہوئی تھی اس جنگ نے امام رضا علیہ السلام اور امام جواد علیہ السلام کی زندگیوں پر بھی اثر ڈالا تھا کیونکہ امام رضا علیہ السلام اپنے جد بزرگوار کے شہر مدینہ میں تمام مسلمانوں، علماء، دانشوروں اور صاحبان فہم و عقل کے مرکز نگاہ بنے ہوئے تھے لہذا مامون کی سیاسی فکر ان کی طرف متوجہ ہوئی اور اس نے ۲۰۰ھ میں آپ کو اپنے پایہ تخت مرو بلایا اور (اسی سیاسی مصلحت کے تحت) اپنا ولی عہد بنایا تاکہ اس کے بعد خلافت آپ تک منتقل ہو جائے۔

یہی وجہ تھی کہ امام رضا علیہ السلام مدینہ چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور (مرو) چلے گئے۔ ولایت عہدی سے انکار اور بے نیازی ظاہر کرنے کے باوجود آخر کار آپ مامون کی بات تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے ... اس سے قبل کہ امام رضاؑ مدینہ سے مرو کی طرف روانہ ہوں، امام جواد علیہ السلام کے ہمراہ مکہ مکرمہ مشرف ہوئے تاکہ خانہ خدا کی زیارت کریں اور اس سے وداع ہوں۔

امام رضا علیہ السلام نے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ امام جواد علیہ السلام نے بھی جو اس وقت چار سال کے تھے اور اپنے بابا کے خادم کے کاندھے پر بیٹھے تھے کعبہ کا طواف کیا۔ ابو الفتح اربلی نے کتاب (کشف الغمہ عن حیاۃ الائمہ) میں اس سلسلہ میں لکھا ہے:

امیہ بن علی نے دلائل حمیری کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ جس سال امام رضا علیہ السلام نے خراسان جانے سے پہلے حج کے اعمال انجام دیئے اس سال میں بھی آپ کے ہمراہ تھا۔ امام جواد علیہ السلام بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ جب امام رضاؑ کا طواف تمام ہوا اور آپ نے خانہ خدا سے وداع کیا تو اس کے بعد مقام ابراہیم کے پاس تشریف لے گئے اور نماز ادا کی اس دوران امام جوادؑ نے "موفق" (امام رضاؑ کے خادم) کے دوش پر طواف انجام دیا اس کے بعد آپ حجر اسماعیل کی طرف گئے اور وہاں بیٹھ گئے۔ بڑی دیر

تک بیٹھے رہے، یہاں تک کہ موفق نے آپ سے کہا۔ فدا ہو جاؤں، اٹھیئے چلیں۔ امام جواد نے اس کے جواب میں فرمایا: میں یہاں سے باہر جانا نہیں چاہتا مگر یہ کہ خدا چاہے، اور غم والم کے آثار آپ کے چہرۂ مبارک سے نمایاں ہو گئے۔ موفق، امام رضاؑ کے پاس آئے اور عرض کی کہ امام جواد علیہ السلام حجر اسماعیل میں بیٹھے ہیں اور اٹھ نہیں رہے ہیں۔ امام رضاؑ اپنے بیٹے کے پاس تشریف لائے اور فرمایا میرے حبیب اٹھو! آپ نے جواب میں پھر وہی بات کہی، پھر فرمایا: اے میرے بابا میں کیسے اٹھوں جب کہ آپ خانہ خدا سے اس طرح وداع ہو رہے تھے جیسے دوبارہ واپس نہ آئیں گے۔ امام رضاؑ نے دوبارہ فرمایا: میرے لال اٹھو تو امام جوادؑ اٹھ کر روانہ ہوئے۔ (۱۶)

امام جواد نے اپنی کامل عقل اور بیدار روح کے ذریعہ اپنے پدر بزرگوار سے ہمیشہ کے لئے جدائی اور فراق کی تلخی کو محسوس کر لیا تھا اور یہ جان لیا تھا کہ اب بابا سے ملاقات نہ ہو پائے گی لہذا یہ احساس آپ کے چہرہ پر غم والم بن کر ظاہر ہوا۔ امام جوادؑ نے حجر اسماعیل میں بیٹھنے کا اصرار کر کے اپنے پدر بزرگوار سے اپنی محبت کا احساس دلایا اور اپنے جذبات کا اظہار یوں کیا: میں یہاں سے کیسے اٹھوں جب کہ آپ خانہ کعبہ سے اس طرح وداع ہو رہے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوبارہ پلٹ کر واپس نہ آئیں گے۔

حقیقت میں امام جوادؑ کا تنہا مدینہ واپس آنا اور باپ سے یوں وداع

ہونا جیسے وہ دوبارہ واپس نہ آئیں گے، آپ کے لئے بہت سخت اور دشوار تھا۔ آخر کار وداع کے لمحات تمام ہوئے اور فراق وجدائی کی گھڑیاں آپہنچیں۔ چار سال کے امام جوادؑ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے فقط باپ کی محبت آپ کے ہمراہ تھی، اور امام رضا علیہ السلام مرو کی طرف چل پڑے جب کہ آپ کا دل امام جوادؑ کے ہمراہ مدینہ کی طرف رواں دواں تھا۔

امام رضاؑ کے خطوط امام جوادؑ کے نام

امام رضا علیہ السلام مرو پہنچ گئے اور حکومت کے پایۂ تخت میں قیام پزیر ہوئے..... لیکن آپ کا دل اپنے فرزند امام جوادؑ کے پاس تھا لہذا آپ انھیں برابر خط بھیجتے رہتے تھے انھیں خطاب کر کے نصیحتیں کیا کرتے تھے اس طرح باپ اور بیٹے میں رابطہ برقرار تھا۔

مورخین نے لکھا ہے : امامؑ اپنے فرزند کو خط لکھتے تھے انھیں بزرگی و عظمت کے ساتھ یاد کرتے تھے اور انھیں ابو جعفر کی کنیت سے خطاب کرتے تھے۔ (اہل عرب اگر کسی کو عظمت کے ساتھ یاد کرتے ہیں تو ابو جعفر، ابو علی یا ابو موسیٰ جیسی کنیت سے یاد کرتے ہیں)

ابو الحسن ان اشخاص میں سے ہیں جو برابر امام رضاؑ کو خط لکھا کرتے تھے، ان سے نقل ہے کہ امام رضاؑ اپنے بیٹے کو ہمیشہ کنیت سے یاد کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ابو جعفر میرے پاس خط لکھتے تھے اور میں بھی جب وہ مدینہ میں تھے ان کو خط لکھتا تھا آپ ان کو تعظیم کے ساتھ خطاب کرتے تھے کمسن

امام جوادؑ کے خطوط فصاحت وبلاغت کا مکمل شاہکار تھے۔ اسی طرح ابوالحسن کہتے ہیں کہ میں نے امام رضاؑ کو یہ کہتے ہوئے سنا :

" ابو جعفر وصیي و خلیفتي فی اهلی من بعدی "

(ابو جعفر (امام جواد علیہ السلام) میرے بعد میرے وصی و جانشین ہیں)(۱۷)

خوش قسمتی سے تاریخ نے ان میں بعض خطوط کو اپنے دامن میں محفوظ کر رکھا ہے لہٰذا ہم ان میں سے دو خط قارئین کی نذر کرتے ہیں تاکہ ان کے مضامین پر غور کیا جائے۔

۱- شیخ صدوق بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام رضاؑ کا ایک خط جسے آپ نے اپنے فرزند ابو جعفر کو تحریر فرمایا تھا یوں پڑھا ہے :

" یا ابا جعفر بلغنی ان الموالی اذا رکبت اخرجوك من الباب الصغیر، فانما ذلك من بخل بهم، لئلا ینال منك احد خیراً، فاسئلك بحقی علیك، لا یكن مدخلك و مخرجك الا من الباب الكبیر، و اذا رکبت، فلیكن معك ذهب و فضة، ثم لا یسألك احد الا اعطیته، و من سألك من عمومتك ان تبره، فلا تعطه اقل من خمسین دیناراً، و الكثیر الیك، و من سألك من عماتك، فلا تعطها قل من خمس و

عشرين ديناراً، و الكثير اليك. انى اريد ان يرفعك الله، فانفق، لا تخش من ذى العرش اقتاراً . "(۱۸)

اے ابو جعفر! مجھے خبر ملی ہے کہ جب تم سوار ہوتے ہو تو خدام تمہیں چھوٹے در سے باہر لے جاتے ہیں، یہ عمل ان کے بخل کی وجہ سے ہے تاکہ تمہارے ذریعہ کسی کو خیر نہ پہنچے میں تم سے اپنے حق کی بنا پر یہ چاہتا ہوں کہ تمہارا داخلہ اور باہر نکلنا بڑے در سے ہو اور جب بھی سوار ہو تو اپنے ساتھ سونا اور چاندی (دینار و درہم) رکھو اور جو شخص بھی تم سے کچھ چاہے اسے عطا کرو۔ اگر تمہارے چچا اور پھوپھیاں تم سے کچھ چاہیں تو کم کم پچاس دینار چچاؤں کو اور پچیس دینار اپنی پھوپھیوں کو دو اور اگر اس سے زیادہ بھی دینا چاہو تو تمہیں اختیار ہے میں یہ چاہتا ہوں کہ خدا تمہارا مرتبہ بلند کرے لہذا خدا کی راہ میں انفاق و خیرات کرو اور تنگدستی کا خوف نہ کرو"

۲- محمد بن عیسی کہتے ہیں کہ میں ابی عباد کے دفتر میں تھا، میں نے دیکھا کہ وہ ایک خط کی نقل اتار رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ وہ کیا ہے تو کہا کہ یہ امام رضا کا خط اپنے بیٹے کے نام ہے جو آپ نے خراسان سے تحریر فرمایا ہے میں نے ان سے درخواست کی کہ یہ خط مجھے مرحمت فرمادیں۔ میں نے دیکھا، اس خط میں لکھا تھا:

" بسم الله الرحمن الرحيم ابقاك الله طويلاً، و أعاذ من عدوك يا ولد، فداك ابوك، قد فسرّت لك مالى، و اناحى سوّى، رجاءً ان ينميك اللّٰه بالصّلة لقرابتك، و لموالى موسى و جعفر رضى الله عنهما...و قد اوسع اللّٰه عليك كثيراً يا بنى فداك ابوك، لا تستر دونى الامور لحبّها، فتخطئ حظك و السلام"(۱۹)

(بخشنے والے مہربان خدا کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ اے بیٹے خداوند عالم تمہیں طول عمر عطا فرمائے اور تمہارے دشمن سے تمہاری حفاظت کرے، تم پر تمہارا باپ فدا ہو جائے، میں نے اپنے مال کے اختیارات تمہیں سونپ دیے جب کہ میں ابھی زندہ اور صحیح و سالم ہوں۔ امید ہے کہ خداوند عالم اپنے قرابت داروں کے ساتھ نیکی اور صلۂ رحم کے عوض اور موسیٰ و جعفر علیہما السلام سے وابستہ افراد کے ساتھ حسن سلوک کے ذریعہ تمہیں مزید عطا فرمائے... اور خدا نے تمہیں بڑی وسعت عطا فرمائی ہے۔ اے میرے بیٹے تمہارا باپ تم پر فدا ہوا، امور و مسائل کو ان سے محبت اور لگاؤ کی بنا پر مجھ سے پنہاں نہ کرو ورنہ اپنا حصہ کھو دو گے، والسلام۔

ان تاریخی سندوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آٹھویں

امام اپنے بیٹے سے کس قدر لگاؤ رکھتے تھے اور کس قدر ان کی سرپرستی فرماتے تھے تاکہ انہیں اس بلند مرتبہ و مقام کے لیے آمادہ کریں جو انہیں ملنے والا ہے۔ ہم ان خطوں سے امام جواد علیہ السلام کی عظمت اور ان کے سلسلہ میں ان کے پدر بزرگوار کی آرزوؤں اور تمناؤں کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

اس بنا پر امام رضا علیہ السلام ان کی شخصیت بنانے اور انہیں وقار عطا کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے اور انہیں بزرگی و عظمت کے ساتھ خطاب کرتے تھے۔ ابو جعفر کی کنیت کے ساتھ انہیں پکارتے جب کہ وہ ابھی بہت چھوٹے تھے اور سن بلوغ کو بھی نہ پہنچے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ مخصوص تربیت اس لئے تھی کہ امام جواد علیہ السلام کو مستقبل قریب میں امامت و رہبری کا منصب سنبھالنا تھا، اور یہ عظیم ذمہ داری جوان کے کاندھوں پر آنے والی تھی اس کا تقاضا تھا کہ آپ گھر کے بڑے در سے نکلیں عوام کے سامنے آئیں اور ان کے مشکلات حل کریں، تاکہ ان کی شخصیت دلوں میں جگہ پیدا کرے۔ نیز آپ مالی امداد و خیرات کے ذریعہ اعلیٰ پیمانہ پر لوگوں کی مشکلیں حل کریں جب کہ آپ ابھی بہت کمسن ہیں۔ امام رضا علیہ السلام آپ کو نصیحت فرماتے ہیں کہ مال کی بخشش کی مقدار کم نہ ہو کیونکہ وہ قابل توجہ نہیں ہوتی اور یہ چیز آپ کی قدر و منزلت کے شایان شان بھی نہیں ہے۔

امام رضا علیہ السلام اپنے دوسرے خط میں اپنے مال کی ذمہ داری اپنے کمسن فرزند کو سونپتے ہوئے امامت کی شخصیت کے لیے ان کی تربیت کی وضاحت فرماتے ہیں اور انہیں آمادہ کرتے ہیں کہ بنی ہاشم کے ساتھ صلۂ رحم اور حسن سلوک کریں اور اہل بیتؑ کی پیروی کریں تاکہ وہ لوگ قیادت و رہبری کی حیثیت و اہمیت اور لوگوں کی مدد اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت سے زیادہ سے زیادہ آشنا ہو سکیں۔

اس طرح امام محمد تقی علیہ السلام بچپن سے لیکر جوانی تک اپنے آباء واجداد یعنی ائمہ اطہارؑ کی روش پر عمل کرتے رہے۔ امام رضا علیہ السلام کے وہ تمام خطوط جو آپ نے اپنے فرزند امام محمد تقی علیہ السلام کو تحریر فرمائے ہیں لطف و محبت و مہربانی کے جذبوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ امام اس لیے اپنی محبت کا اظہار خطوں میں فرماتے ہیں کہ بیٹے کو باپ کی دوری اور باپ کے ساتھ زندگی بسر کرنے سے محرومی کا احساس نہ ہونے پائے۔

اسلام میں امامت کا تصور

اسلام میں امامت کا مفہوم، اس کے عقائد کی اصل بنیاد کو تشکیل دیتا ہے۔ امامت اسلام کی سیاسی، ثقافتی اور سماجی زندگی کی اساس وبنیاد شمار ہوتی ہے، تمام مسلمان اپنے مذاہب و نظریات کے اختلاف کے باوجود اسلام میں امامت کی ضرورت سے اتفاق نظر رکھتے ہیں ہاں اس سلسلہ میں صرف خوارج اور معتزلہ کے ایک گروہ کو اختلاف ہے۔ تاریخی واقعات اور سیاسی واعتقادی بحثوں سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امامت اسلامی امت کی سیاسی، ثقافتی اور سماجی زندگی میں کتنا اہم کردار ادا کرتی ہے۔ بلا شبہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف کا سبب یہی خلافت وامامت کا مسئلہ تھا جو سقیفہ بني ساعدہ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں بند ہونے کے ساتھ ہی پیدا ہوا۔

مورخوں اور سیرت نگاروں کا اتفاق ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کی وفات کے روز انصار کا ایک گروہ سقیفہ بني ساعدہ میں جمع ہوا اور یہ طے کیا کہ انصار

میں سے ایک شخص یعنی مشہور صحابی سعد بن عبادہ کو مسلمانوں کا قائد ورہبر منتخب کرے۔ انہوں نے سعد کو سقیفہ میں بٹھایا اس کے گرد جمع ہوئے اور اس کے لیے تکیہ رکھا تاکہ اس کی قیادت ورہبری ظاہر کریں۔

کچھ لوگ اس کی بیعت کے لیے جمع ہوئے یہ خبر ابو بکر و عمر اور ابو عبیدہ بن جراح کو ہوئی وہ لوگ تیزی سے آکر انصار سے ملے جب کہ انصار سعد بن عبادہ کی بیعت کرنے ہی والے تھے اور اس کی تبلیغ کر رہے تھے۔ ایسے میں عمر، ابو بکر، ابو عبیدہ اور حاضرین کے درمیان لفظی جنگ شروع ہو گئی اور ان تینوں نے طے کیا کہ انصار کے اس اتفاق رائے کے خلاف ڈٹ جائیں اور ان کا منصوبہ ناکام بنادیں، لہذا ابو عبیدہ نے ابو بکر کی بیعت کی اور عمر نے بھی اس کی پیروی کی اور بعد میں جو لوگ ان کے ہم خیال تھے اور سقیفہ میں موجود تھے انہوں نے بھی ان دونوں کی پیروی میں ابو بکر کی بیعت کی۔ نتیجہ میں کچھ لوگ سعد کی طرف اور کچھ لوگ ابو بکر کی طرف مائل ہوئے اور حاضرین کی صف میں شگاف و اختلاف پیدا ہو گیا اور یہ شگاف دونوں گروہوں کے درمیان گہرا ہوتا گیا یہاں تک کہ عمر بن خطاب نے بلند آواز میں کہا: " اقتلوا سعداً قتل الله سعداً " یعنی (سعد کو قتل کر دو، خدا اسے قتل کرے)۔

یہ تمام اتفاقات اس وقت پیش آئے جب حضرت علی ابن ابی طالبؑ

بنی ہاشم اور بقیہ اصحاب پیغمبر اکرمؐ کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے اور ابھی انہیں قبر میں بھی نہیں رکھا گیا تھا آنحضرتؐ کی تدفین اور ان واقعات کے گزر جانے کے بعد حضرت علیؑ بن ابیطالبؑ، عباس بن عبد المطلبؓ، ابوذر غفاریؓ، سلمان فارسیؓ، زبیر بن عوامؓ، فضل بن عباسؓ، خالد بن سعیدؓ، مقداد بن عمروؓ، عمار یاسرؓ، براء بن عازبؓ، ابی بن کعبؓ اور دیگر صحابہ کرام نے سقیفہ کے قضیہ پر اعتراض کیا اور ابو بکر کی بیعت سے انکار کر دیا۔ اس دوران نگاہیں حضرت علی بن ابیطالبؑ کی طرف متوجہ ہوئیں جو منصب خلافت کے لیے سب سے شائستہ تھے۔ دونوں گروہوں کے درمیان بڑی طولانی بحثیں ہوئیں یہاں تک کہ ابو عبیدہ اور عمر نے مشورہ دیا کہ ان حالات میں عباس بن عبد المطلب سے بات کی جائے اور انہیں بھی اس پر مطمئن کیا جائے کہ خلافت میں ان کا حصہ ہوگا۔

مشہور تاریخ نگار یعقوبی نے اس قضیہ کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ عمر اور ابو عبیدہ نے ابو بکر سے کہا کہ ہمارا خیال ہے کہ تم عباس بن عبد المطلب سے ملاقات کرو اور حکومت میں ان کا بھی حصہ معین کرو جو اس کے وارثوں کو منتقل ہو۔ اس طرح ان کی ہمراہی کی صورت میں خلافت کا مسئلہ تمہارے حق میں اور علیؑ بن ابی طالبؑ کے خلاف ہو جائے گا، لہذا تینوں (ابو بکر، عمر اور ابو عبیدہ) عباس کے پاس گئے اور شب کی تاریکی میں ان سے

ملاقات کی تاکہ انہیں آمادہ کریں کہ علیؑ بن ابی طالبؑ کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں۔ ان کے درمیان بڑی طولانی گفتگو ہوئی لیکن عباس نے ان کا مشورہ تسلیم نہیں کیا لہذا ایک گروہ نے حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کرلی...(۲۰)

یہ تھا ان واقعات کا پہلا مرحلہ جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رحلت کے فوراً بعد آنحضرتؐ کے جانشین کے سلسلہ میں اختلاف نظر اور حضرت علی علیہ السلام کی شخصیت کو محدود کرنے کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اس طرح اسلامی امت میں پیغمبر اسلامؐ کی جانشینی اور امامت کے سلسلہ میں دو نظریے وجود میں آئے کہ دونوں میں ان کے ماننے والے عوام اور صحابہ کی تعداد نظر آتی ہے۔ ایک گروہ نے اہل بیتؑ کی پیروی کی جس کی مرکزی شخصیت حضرت علی علیہ السلام تھے اور یہ گروہ انہیں امت کی قیادت و رہبری کے لیے سب سے زیادہ لائق و فائق سمجھتا تھا۔ اور دوسرا گروہ سقیفہ کے فیصلہ پر ہی مطمئن ہو گیا۔

جو گروہ حضرت علی علیہ السلام کے گرد جمع ہوا تھا ان کا پیرو شمار کیا گیا اور ایک عرصہ کے بعد شیعہ یعنی حضرت علیؑ اور ان کی اولاد (اہل بیتؑ) کا پیرو کہا گیا۔ اس گروہ نے اپنے اس عقیدہ کے لیے کہ حضرت علیؑ ہی امت کی امامت کے لیے سزاوار ہیں قرآن کی متعدد آیات اور پیغمبر اسلامؐ کی

احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں سے بعض حسب ذیل ہیں :

۱ – " اِنَّمٰا وَلِیُّکُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِیْنَ آمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَ هُمْ رَاکِعُوْنَ "

(مائدہ/ ۵۵)

"تمہارا ولی صرف خدا، اس کا رسول اور وہ صاحبان ایمان ہیں جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور (فقرا کو) نماز کی حالت میں زکات دیتے ہیں"

۲ – **من کنت مولاه فعلی هذا مولاه ، اللهم وال من والاه و عاد من عاداه** " (۲۱)

"پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا : جس کا میں مولا ہوں پس علیؑ بھی اس کا مولا ہے۔ خدایا تو اسے دوست رکھ جو علیؑ کو دوست رکھے اور اس کا دشمن ہو جو علیؑ سے دشمنی کرے"

(یہ جملے پیغمبر اسلامؐ نے غدیر خم میں حضرت علی علیہ السلام کے لیے ارشاد فرمائے تھے جسے شیعہ و سنی دونوں نے نقل کیا ہے)

۳ – " **یا علی انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لا نبی بعدی.** "

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا : اے علی ! تم کو

مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی" یعنی جس طرح ہارونؑ موسیٰؑ کے جانشین تھے یوں ہی تم میرے جانشین ہو" بس فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

٤ - " انی تارك فیكم الثقلین كتاب اللّٰهِ و عترتی اهل بیتی لن یفترقا حتی یردا علیَّ الحوض "

پیغمبرؐ نے فرمایا : میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ، ایک کتاب خدا اور دوسرے میری عترت اور میرے اہل بیتؑ۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں۔

دوسرا گروہ بھی استدلال کرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ظاہر ہے کہ خلافت کا مسئلہ ایک شورائی اور پنچایتی مسئلہ ہے اور اسے مسلمانوں کے باہمی مشورہ سے حل ہونا چاہیئے تھا اور ایسا ہی ہوا۔

پہلے گروہ نے ان کا جواب یہ دیا ہے کہ ہم اس مسئلہ میں نصوص اور دلائل رکھتے ہیں جن پر عمل کیا جانا چاہیئے اس کے علاوہ سقیفہ میں جو کچھ وہ کمیٹی اور شورائی کام نہیں تھا بلکہ حاضرین میں نزاع و اختلاف تھا جو ایک مشخص و معین نتیجہ کی طرف موڑا گیا۔ اس طرح اسلام کی سیاسی تفکر میں خلافت کے سلسلہ میں دو نظریے پیدا ہوئے ۔

۱- نص و دلیل کا نظریہ۔

۲- شوریٰ اور کمیٹی کا نظریہ۔

تین ابتدائی خلفا کی خلافت کے خاتمہ نیز عثمان کے خلاف بغاوت اور ان کے قتل نیز عوام کے ذریعہ حضرت علیؑ بن ابیطالبؑ کے بعد معاویہ بن ابی سفیان نے حضرت علیؑ کی بیعت سے انکار کر دیا اور شرعی و قانونی حتیٰ شورائی خلیفۂ پیغمبر سے روگردانی کی اور خود کو شام اور اس کے شہروں کا خلیفہ ظاہر کر دیا۔ لہذا حضرت علیؑ اور معاویہ کے درمیان جنگ کی آگ بھڑک اٹھی۔ حضرت علی علیہ السلام کی حکومت ۴۰ھ تک یعنی جب آپ شہید کئے گئے باقی رہی۔ ان کے بعد لوگوں نے ان کے بڑے بیٹے امام حسن علیہ السلام کی بیعت کی۔

اس دوران امام حسنؑ اور معاویہ کے درمیان سخت جنگ ہوئی یہاں تک کہ امام حسن نے اپنے سپاہیوں کے درمیان جھگڑے اور ان میں پھوٹ پڑنے نیز ان کی بے وفائی کی وجہ سے اپنی طرف سے شرائط معین کرتے ہوئے خلافت کے سلسلہ میں معاویہ سے صلح کر لی۔ لیکن معاویہ نے بعد میں خود اپنے دیے ہوئے وعدوں پر عمل نہیں کیا اور مسلمانوں کی عادت کے خلاف خلافت کو بیعتی اور شورائی نظام سے نکال کر موروثی بنا دیا۔

یہی وجہ تھی کہ معاویہ کے بیٹے یزید سے مسلمانوں کی مخالفت

شدید ہو گئی جو باپ کی جگہ پر حاکم بنا تھا۔ امام حسینؑ نے یزید کے خلاف قیام فرمایا اور آخر کار خود اپنے اہل خاندان اور ساتھیوں کے ہمراہ درجۂ شہادت پر فائز ہو گئے۔

اس مرحلہ میں اسلام کی تاریخ میں خلافت و امامت کے بارے میں دو نظریے آشکار ہوئے۔ :

ایک راہ اہل بیتؑ : اس نظریہ میں اہل بیتؑ کی امامت کے سلسلہ میں صریحی دلیل اور واضح نص کلام الٰہی اور حدیث پیغمبرؐ سے موجود ہے۔

اور دوسری بنی امیہ کی راہ اور خلافت میں وراثت کا نظریہ جس کی بنیاد معاویہ بن ابی سفیان نے رکھی تھی اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اہل بیت علیہم السلام کی امامت وخلافت کے سلسلہ میں اصولی افکار و نظریات سامنے آئے۔ البتہ ہم نے تاریخ اسلام کے اس حصہ کو افکار و نظریات کی وضاحت کے لیے بیان کیا اس سے ہمارا مقصد تاریخ پر تنقید یا حق و ناحق کو واضح کرنا نہیں تھا کیونکہ اس مسئلہ پر خصوصی بحث و تحقیق کی ضرورت ہے جس پر الگ سے کام ہونا چاہیئے ۔

در حقیقت جو چیز مسلمانوں کے لئے اہم ہے وہ خلافت کا تاریخی مسئلہ ہے اور اس مسئلہ میں مسلمانوں کے درمیان تاریخی اختلاف نہیں ہے بلکہ اہم تاریخ سے عبرت حاصل کرنا، صحیح حقائق و واقعات معلوم کرنا اور

ان سے صحیح پیغام حاصل کرنا ہے تاکہ مسلمان تاریخ کے مختلف مرحلوں میں اس سے پیغام حاصل کر سکیں قرآن کی راہ پر گامزن ہوں اور سنت پیغمبرؐ کے مطابق عمل کریں، ایک امت تشکیل دیں راہ پیغمبرؐ پر چلنے والے بنیں اور قرآن کے نورانی احکام کی پیروی کریں۔

امامت کے تصور سے متعلق یہ ایک تاریخی مقدمہ تھا۔ اب ہم نظریۂ امامت کے سلسلہ میں گفتگو کریں گے۔ اہل بیتؑ کی امامت کا تصور اسلامی امت کے ایک بنیادی محور بنا۔ مومنین کے دل ان کی طرف مائل ہوئے اور انہوں نے ان سے عشق واخلاص و محبت کی، خاص طور سے اس وقت جب امویوں نے تخت حکومت پر قبضہ کیا اور خلافت کو ہتھیا لیا بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ جب عثمان قتل ہوئے اسی روز سے مسلمان سیلاب کی طرح حضرت علی علیہ السلام کی طرف آئے تاکہ ان کی بیعت کریں۔ عوام کے اس اجتماعی اقدام نے مسلمانوں کے مختلف طبقوں یعنی علماء، فلاسفہ بلکہ بعض اوقات حکومت کے وزیروں، حاکموں، سیاسی لیڈروں اور خلفاء پر بھی اثر ڈالا۔

چنانچہ اگر کوئی انقلاب حسینؑ سے لیکر دوسرے علوی انقلابات اور تحریکوں کا مطالعہ کرے جو اموی اور عباسی دور میں وجود میں آئیں اور جن کا محور صرف عوام تھے اور یہ تحریکیں اور انقلابات ان کے افکار پر غالب تھیں

(یعنی رضائے آل محمدؐ کے لئے قیام) تو وہ پوری طرح سے اس بات کو درک کرلے گا کہ عمومی طور سے لوگوں کی توجہ اور میلانات اہل بیتؑ کی طرف تھے اور لوگ ان کے مرتبہ و منزلت سے آگاہ اور ہدایات سے فیضیاب ہوتے تھے۔

بلکہ ہم تاریخ اسلام میں بعض خلفاء اور سیاسی حکام کے ایسے کھلے نظریات اور خیالات سے روبرو ہوتے ہیں جس میں نظر آتا ہے کہ جیسے تاریخ اہل بیتؑ کی طرف رخ کر رہی ہے اور خلافت انھیں تسلیم کی جانے والی ہے۔

مثلاً یزید کے بیٹے معاویہ کو لے لیجئے جو یزید قاتل حسینؑ کے واصل جہنم ہونے کے بعد تخت پر بیٹھا تھا، اس نے تخت خلافت کو چھوڑ دیا اور اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ خود کہتا ہے کہ خلافت اہل بیتؑ کا حق ہے لہذا تخت حکومت سے اتر جاتا ہوں تاکہ یہ حق انہیں مل جائے۔ لیکن ایسے مختلف حادثات اور واقعات رونما ہوتے ہیں کہ اس کا چاہا پورا نہیں ہوتا اور خلافت پر مروان اور اس کا خاندان قابض ہو جاتا ہے۔

کاش ہم مشہور مورخ یعقوبی کی تحریر پڑھتے اس نے اس بارہ میں لکھا ہے اور معاویہ بن یزید کا اعتراف یوں بیان کیا ہے: معاویہ بن یزید (جس کی ماں ام ہاشم ابو ہاشم کی بیٹی ہے) اس نے چالیس دن اور بقولے چار ماہ

حکومت کی۔ وہ عقیدہ و مذہب کے اعتبار سے اچھا تھا ایک روز وہ منبر پر گیا اور لوگوں سے یوں خطاب کیا: خداوند عالم کی حمد و ثنا کے بعد، اے لوگو! ہم حکام تمہارے ذریعہ اور تم ہمارے ذریعہ آزمائے جاتے ہو ہم تمہاری ناخوشی سے اور تم جو ہمیں طعنے دیتے ہو اس سے بے خبر نہیں ہیں۔ آگاہ رہو کہ ہمارے جد معاویہ بن ابو سفیان نے حکومت کے سلسلہ میں ایسے شخص سے جنگ کی جو حکومت کے لیے میرے جد پر ترجیح اور فوقیت رکھتا تھا، کیونکہ وہ قرابت میں پیغمبر اکرمؐ سے سب سے نزدیک اور اسلام میں اس سے زیادہ شائستہ اور لائق تھا۔ سب سے پہلے اسلام لایا تھا، سب سے پہلا مومن تھا۔ پیغمبرؐ کا چچازاد بھائی اور ان کی ذریت اور آل کا باپ شمار ہوتا تھا۔

وہ (معاویہ) تمہیں اس سمت لے گیا جسے تم خود جانتے ہو اور تم نے جو سلوک کیا اسے خود تسلیم کرتے ہو۔ یہاں تک کہ اسے موت آگئی اور وہ اپنے اعمال کے نتائج کا شکار ہوا اس کے بعد میرے باپ نے بھی اس کی پیروی کی جب کہ خلافت کے لیے شائستہ اور اس کا اہل نہ تھا لہذا اس نے ہوا و ہوس کی فرمانبرداری کی اور غلط راہ کو پسند کیا۔ وہ اونچی آرزوئیں رکھتا تھا جن تک نہیں پہنچا۔ اس کی عمر نے وفا نہ کی، اس کی دفاعی طاقت کم ہوئی اس کی اجل آگئی اور وہ قبر میں اپنے گناہوں میں گرفتار ہوا اور اپنے جرائم کا اسیر بنا۔

اس کے بعد معاویہ بن یزید رو دیا اور بولا : ہمارے لیے سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ اس کا انجام بہت ہی برا ہے کیونکہ اس نے عترت پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو قتل کیا ہے۔ آنحضرتؐ کی حرمت کو تباہ کیا اور خانۂ کعبہ کو آگ لگائی۔ میں تمہاری ذمہ داری قبول نہیں کروں گا اور تمہارا مستقبل اپنے کاندھوں پر نہ اٹھاؤں گا۔ تم خود جانو۔ خدا کی قسم اگر دنیا کے پاس کچھ غنیمت ہے تو اس کا کچھ حصہ ہم تک بھی پہنچے گا اور اگر دنیا کی پونجی شر و فساد ہے تو جو کچھ آل ابو سفیان کے حصہ میں آیا ہے وہی ہمارے لیے کافی ہے۔

مروان نے اس سے کہا کہ : ہمارے درمیان اس روش کی بنیاد عمر نے ڈالی ہے۔

معاویہ نے جواب دیا کہ : میں تمہارے مردہ اور زندہ افراد کی ذمہ داری اپنی گردن پر لینے کو تیار نہیں ہوں۔ (۴۲)

صدر اسلام ہی میں یہ معاویہ بن یزید کی گواہی ہے۔ اور اس نے یہ بات اس وقت کہی کہ جب ابھی صحابہ کی نسل باقی تھی اور اس کے ہاتھ میں بھی طاقت و حکومت تھی لیکن اس نے حقیقت کہی، کچھ چھپایا نہیں۔ اگر چہ پوری تاریخ میں کوئی شخص بھی اہل بیتؑ کی امامت کے بارہ میں بے خبر اور نا واقف نہیں ہے۔

یہی موقف (اہل بیتؑ کی امامت کے سلسلہ میں) واضح و آشکار طور سے اسلامی مذاہب کے پیشواؤں، سماج کی شخصیتوں اور سیاسی حکام کی جانب سے بھی ظاہر ہوتا رہا ہے۔ ہم یہاں نمونہ کے طور پر امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا نظریہ بیان کریں گے ساتھ ہی اس بات کی بھی وضاحت کریں گے کہ کس طرح یہ لوگ مخفی اور آشکارا طور پر علویوں کے انقلاب کی تائید نیز حقانیت اہل بیتؑ کے سلسلہ میں فتویٰ دینے اور اموی و عباسی حکام کو چھوڑ دینے کے نتیجہ میں اذیت و آزار کا شکار ہوئے۔

ابو حنیفہ نے ۱۲۱ھ میں اموی حکومت کے خلاف حضرت زید بن علیؑ کے انقلاب کی تائید میں فتویٰ دیا اور کہا: "کہ اس انقلاب پر زکات کا سرمایہ صرف کرنا جائز ہے" اسی طرح آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد کی حکومت میں جب عراق کے حاکم یزید بن عمر بن ہبیرہ نے ابو حنیفہ کو کوفہ کا قاضی بننے کی پیشکش کی اور ابو حنیفہ نے انکار کر دیا تو یزید بن عمر نے ابو حنیفہ کو ایک سو دس تازیانے لگائے۔(۲۳)

جب بنی عباس بر سر کار آئے تو ابو حنیفہ نے منصور عباسی کے زمانہ میں ابراہیم بن عبد اللہ بن حسن علوی کی کھل کر تائید و حمایت کی۔ ابو الفرج اصفہانی نے نقل کیا ہے کہ ابو حنیفہ نے ابراہیم کے قضیہ میں بڑی سنجیدگی کا ثبوت دیا اور فتویٰ دیا کہ لوگ ابراہیم کے ساتھ قیام کریں۔(۲۴)

ابو حنیفہ نے ابراہیم کو لکھا کہ کوفہ آئیں اور اپنی قومی حیثیت سے آل محمدؐ کے حق میں کام لیں :

" ائتها سراً فان هاهنا من شيعتكم من يبيتون ابا جعفر فيقتلونه، أو يأخذون برقبته فيأتوك به "(۲۵)

(آپ مخفی طور پر آیئے کیونکہ آپ کے بعض چاہنے والے راتوں رات ابو جعفر منصور کو قتل کرنا چاہتے ہیں یا گرفتار کر کے آپ کے پاس لانا چاہتے ہیں)

اور منصور عباسی نے بھی ابو حنیفہ کو کوفہ سے بغداد آنے کی دعوت دی اور ان سے تقاضا کیا کہ قضاوت کا عہدہ سنبھالے لیکن انہوں نے قبول نہ کیا۔ منصور نے قسم کھائی کہ یہ کام کر کے رہے گا (یعنی ابو حنیفہ کو اپنا کار گزار بنا کر رہے گا) اور ابو حنیفہ نے بھی قسم کھائی کہ اسے قبول نہ کریں گے حاجب بن ربیع بن یوسف نے ابو حنیفہ سے کہا کہ وہ اپنی قسم سے صرف نظر کرے تو ابو حنیفہ نے جواب میں کہا کہ : امیر المومنین (منصور) قسم توڑنے کا کفارہ آسانی سے ادا کر سکتے ہیں۔ لیکن منصور نے بھی عہد کر لیا تھا کہ اپنی قسم نہ توڑے گا چنانچہ اس نے ابو حنیفہ سے یہ طے کیا کہ شہر بغداد کی تعمیر میں کوئی ذمہ داری سنبھالے۔ لہذا منصور نے انہیں اینٹیں چننے انہیں شمار کرنے اور کاریگروں کی نگرانی پر مامور کیا۔ ابو حنیفہ نے بھی مزدوروں کو

اجرت دینے میں نیا طریقہ ایجاد کیا اور لکڑی کے ذریعہ شمارش کے بجائے خود اینٹوں کو شمار کرتے تھے۔(۲۶)

امام مالک نے بھی عباسیوں کے مقابلہ میں آل علیؑ اور ان کے انقلاب کی تائید کی ہے جب بعض اہل مدینہ نے ان کے پاس آکر حضرت محمد بن حسن (نفس زکیہ) کی تائید کے سلسلہ میں ان کا نظریہ معلوم کرنا چاہا اور کہا کہ ہم نے ابو جعفر کی بیعت کرلی ہے اب کیا کریں تو مالک نے ان سے کہا کہ : تم نے مجبوراً اس کی بیعت کی ہے اور جو شخص مجبور ہو اس کے ذمہ کچھ نہیں ہے۔(۲۷)

مالک بن انس نے ہارون رشید کے زمانہ میں وفات پائی۔ واقدی ان کی تعریف میں لکھتا ہے کہ : مالک مسجد میں آتے تھے اور یومیہ وجمعہ کی نمازوں اور تشیع جنازہ میں شرکت کرتے تھے۔ بیماروں کی عیادت کرتے مالیات ادا کرتے تھے لیکن بعد میں انہوں نے سب کچھ چھوڑ دیا اور گوشہ نشین ہوگئے ان سے اس سلسلہ میں دریافت کیا گیا تو کہا کہ ہر انسان میں اتنی جرأت و توانائی نہیں ہوتی کہ اپنا عذر بیان کرے۔

جعفر بن سلیمان کے پاس ان کی شکایت اور چغلی کی گئی اور اس سے کہا گیا کہ مالک تمہارے معتقد اور تمہاری بیعت میں نہیں ہیں۔ اس پر جعفر نے انہیں اتنے کوڑے لگائے کہ ان کا شانہ اکھڑ گیا۔(۲۸)

مالک علویوں کی قدر و منزلت کو خوب پہچانتے تھے، لہذا جب محمد بن جعفر نے ان سے اپنی سختیوں اور حکام کے ظلم و ستم کی شکایت کی تو انہوں نے کہا: صبر کرو یہاں تک کہ اس آیت کی تفسیر ظاہر ہو جائے جو یہ ہے:

" و نرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض و نجعلهم ائمة و نجعلهم الوارثین "

منصور دوانقی نے مالک کو اذیت و آزار دیے اور حاکم مدینہ نے بھی ان کو ستر کوڑے لگائے۔(۲۹)

جس طرح امام ابو حنیفہ اور مالک نے علویوں اور ان کے انقلابات کی تائید کی امام شافعی بھی ان کی طرف مائل اور ان کے ساتھ تھے۔ روایت نقل ہوئی ہے کہ ہارون رشید کے زمانہ میں حاکم یمن نے امام شافعی اور کچھ لوگوں پر الزام لگایا کہ وہ علویوں کی حمایت کرتے ہیں اور ان کے حق میں تبلیغ کرتے ہیں لہذا ان کو ۱۸۴ھ میں محاکمہ کے لیے بغداد لے جایا گیا اور محاکمہ کے بعد بعض لوگوں کو قتل کر ڈالا گیا اور شافعی نے نجات پائی۔

جب اموی دور حکومت میں اسلامی امت پر ظلم و ستم شدید ہوا اور اسلامی سماج کے عمومی افکار ان کی حکومت کے خلاف ہوئے تو اہل بیتؑ ہی امت کے ملجا و مرکز، سیاسی پناہ گاہ نیز ظلم کے خلافت تحریکوں اور انقلابات

کے رہبر اور معاشرہ کی اصلاح کرنے والے پہچانے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل بیتؑ پیغمبرؐ کی امامت ورہبری کی حمایت میں نیز حکومت ان کے حوالے کرنے کے نعرہ کے ساتھ امویوں کے خلافت بغارت کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا ان لوگوں کی دلیل یہ تھی کہ اہل بیتؑ ہی شرعی و قانونی طور پر حکومت کرنے کے لائق ہیں۔ عوام بھی انہیں دوست رکھتے تھے اور انہیں مظلوم سمجھتے تھے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے زمانہ میں اہل بیتؑ کے سیاسی و فکری رہبر اور علمبردار امامت تھے لہذا انقلاب کی قیادت اور لوگوں کی نگاہیں ان کی جانب اٹھیں۔ امویوں کے خلافت کے خلاف انقلاب کے لیڈروں میں سے ایک ابی سلمہ خلال نے امام کی بیعت کا مشورہ بھی دیا لیکن امام نے اسے رد کردیا۔ امامؑ کے پاس اس مضمون کا ایک خط بھی بھیجا گیا لیکن امام نے اسے جلادیا اور کمیت بن زیاد کا ایک شعر بھی پڑھا۔

ایا موقداً ناراً لغیرك ضؤوها و یا حاطباًفی غیر حبلك تحطب

یعنی (اے ایسی آگ روشن کرنے والے جس کی روشنی دوسرے کے لیے ہے اور اے لکڑیاں جمع کرنے والے جو دوسرے کی رسی سے باندھی جائے گی)

عبداللہ بن حسن علوی کے بیٹے محمد (نفس زکیہ) کو بیعت کی دعوت

دی گئی تھی امام نے انہیں اطلاع دی کہ لوگوں سے بیعت لینا اس کے لئے مناسب نہیں ہے اس طرح انہیں بیعت سے روک دیا کیونکہ آپ ان واقعات کی حقیقت سے واقف اور در پردہ کارروائیوں سے آگاہ تھے۔ پہلے ابراہیم بن محمد عباسی کی طرح لوگوں کو دعوت دی گئی لیکن اس کے قتل کے بعد خفیہ طور سے یہ دعوت ابو العباس سفاح کی طرف منتقل ہو گئی۔

جب ابو العباس سفاح نے انقلاب کی قیادت سنبھالی تو یہ دعوت اور تبلیغ جو اہل بیتؑ کے نام سے شروع ہوئی تھی اپنی راہ سے ہٹ گئی....

عباسیوں کے زمانہ میں بھی امت کی وابستگی اہل بیتؑ سے شدید ہو گئی اور ان کی قیادت و رہبری کی طرف لوگوں کی توجہ بڑھنے لگی تو مامون عباسی اپنے زمانہ میں لوگوں سے امام رضاؑ کے لیے بیعت لینے پر مجبور ہوا اور اس نے انہیں اپنا ولی عہد قرار دیا کہ اس کے بعد خلافت ان کو منتقل ہو جائے گی!

مامون نے اپنے ہاتھوں سے امام رضاؑ کی بیعت کی جو سند لکھی ہے اس میں وہ مطلب بیان ہوا ہے کہ اسلامی امت مختلف سیاسی سماجی نظریات کے باوجود اہل بیتؑ کے مرتبہ و منزلت اور رہبری و حکومت کے لیے ان کی حقانیت کو محسوس کرتی تھی۔ یہ سند تاریخ کے اس مرحلہ میں اسلامی سماج کی اندرونی فکری و سیاسی حقیقت کا روشن ثبوت ہے۔(۳۰)

مامون رشید نے بھی در حقیقت خلافت و امامت کے لئے اہل بیتؑ کی حقانیت کی تصریح کی ہے جب کہ اس نے اپنی بیٹی سے امام محمد تقی علیہ السلام کی شادی کا اقدام کیا۔ وہ اس کام کے ذریعہ اس کوشش میں تھا کہ خود کو امام اور عوام کے عمومی افکار و نظریات سے نزدیک کرے اور اس فکر میں تھا کہ بتدریج امام جوادؑ کی بیعت کا تجربہ بھی کرے۔

جب مامون نے خود عباسیوں کی طرف سے شدید مخالفت دیکھی تو اس نے انہیں جمع کیا اور ان سے بحث کی ان مذاکرات کو مورخین و محدثین نے نقل کیا ہے اور ہم بھی اسے ذکر کریں گے تاکہ عام طور سے مسلمانوں کی نظر میں اہل بیتؑ کی سیاسی حیثیت اور ان کی امامت وولایت کی عظمت واضح ہو سکے جب کہ عالم اسلام میں سیاسی اتھل پتھل برقرار تھی اور اہل بیتؑ کی مخالف طاقتیں قوی تھی لیکن یہ لڑائیاں اور مخالفتیں عوام سے اہل بیتؑ کی عقیدت و محبت نہ چھین سکیں اور اہل بیتؑ کی سیاسی و فکری اصلاح کو عوام کے ذہن سے دور نہ کر سکیں ۔

عباسی خلیفہ مامون نے دوسری عباسی شخصیتوں سے گفتگو کے دوران حضرت امام رضا علیہ السلام اور امام محمد جواد علیہ السلام کے مرتبہ و منزلت کے سلسلہ میں جو باتیں بیان کی ہیں پڑھنے کے قابل ہیں۔ لبان بن شبیب کہتے ہیں کہ جب مامون نے اپنی بیٹی ام الفضل کا عقد حضرت امام محمد

تقی علیہ السلام سے کرنا طے کر لیا تو یہ خبر بنی عباس کو ہوئی اور انہیں بہت گراں گزرا لہذا انہوں نے اس فیصلہ کی مخالفت کی کیونکہ وہ ڈرے کہ اس کا نتیجہ بھی امام رضا علیہ السلام کے قضیہ جیسا نہ ہو جائے۔ حتی ان کے نزدیکی خاندان بھی عباسیوں کے ہم خیال ہو گئے اور مامون سے کہنے لگے کہ اے امیر المومنین ہم تم کو نصیحت کر رہے ہیں کہ اس مسئلہ پر دوبارہ غور کر لو کیونکہ ہمیں ڈر ہے کہ اس کام سے جو حکومت ہمیں خدا نے دی ہے ہمارے ہاتھوں سے چلی جائے اور خداداد عزت و آبرو ختم ہو جائے ! اور تم خوب جانتے ہو کہ ہمارے اور اہل بیتؑ کے درمیان پہلے سے کتنا فاصلہ رہا ہے اور خلفائے راشدین نے بھی تم سے پہلے انہیں کتنا حقیر رکھا ہے اور ملک بدر کیا ہے۔ ہم اس وقت موجود تھے جب تم نے امام رضا علیہ السلام کے ساتھ وہ سلوک کیا (یعنی ولی عہدی دے دی)۔ اتنا ہی ہمارے لئے کافی ہے۔ بس ہم خدا کی پناہ چاہتے ہیں کہ ہمیں دوبارہ اس غم و غصہ سے دوچار نہ کرو جس سے ابھی چھٹکارا ملا ہے۔ رضاؑ کے بیٹے سے صرف نظر کرو اور اپنے خاندان سے کسی شائستہ و مناسب شخص کو اپنا داماد بنالو۔

مامون نے جواب دیا : تمہارے اور آل ابو طالب علیہ السلام کے درمیان فاصلہ تم ہی لوگ تھے اور اگر تم قوم کے ساتھ عدل و انصاف کا سلوک کرتے تو اہل بیت علیہم السلام اس منصب کے لیے تمہارے مقابلہ

میں زیادہ مناسب و حقدار تھے۔ اور جو کام مجھ سے پہلے کے لوگوں نے انجام دیا ہے وہ قطع رحم تھا اور میں اس سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ خدا کی قسم میں (حضرت) رضا علیہ السلام کی ولی عہدی سے پشیمان نہیں ہوں۔ میں نے بڑے اصرار سے ان سے تقاضا کیا تھا کہ یہ منصب سنبھالیں اور میں اپنی ساری ذمہ داری آپ کو دے دیتا ہوں لیکن انہوں نے قبول نہ کیا اور جو خدا چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ اب میں نے ابو جعفر محمد بن علیؑ (امام جواد علیہ السلام) کو (اپنی دامادی کے لیے) منتخب کیا ہے اگرچہ وہ سن کے اعتبار سے چھوٹے ہیں لیکن علم و فضل میں تمام اہل فضل و کمال پر برتری رکھتے ہیں۔ یہی چیز ان میں حیرت انگیز ہے۔ مجھے امید ہے کہ جیسا میں انہیں پہچانتا ہوں دوسروں کو بھی ان کی معرفت حاصل ہو جائے تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ میرا خیال غلط نہیں تھا۔

عباسیوں نے اس سے کہا: اگرچہ اس نوجوان کے اخلاق نے تمہیں متاثر اور خوش کر رکھا ہے لیکن وہ ابھی بچہ ہیں اور ان میں مکمل فہم و فراست نہیں ہے۔ ابھی صبر کرو جب وہ بڑے ہو جائیں تو جو چاہنا کرنا۔ مامون نے ان سے کہا: وائے ہو تم پر میں انہیں اچھی طرح پہچانتا ہوں اس خاندان کا علم خدا سے مربوط ہے وہ اسی کی ذات سے الہام حاصل کرتے ہیں اس کے تمام بزرگ علم و ادب میں دوسروں سے بے نیاز ہیں۔ اگر تم

آزمانا چاہتے ہو تو ابو جعفر (امام جواد علیہ السلام) کو آزمالو تا کہ میں جو کچھ کہتا ہوں اس کی حقیقت تمہیں معلوم ہو جائے۔

مذکورہ بالا باتوں سے کسی حد تک امامت کے سلسلہ میں امت کا نظریہ اور اہل بیتؑ کی امامت کے سلسلہ میں مختلف لوگوں کے خیالات معلوم ہوئے۔

امام جواد علیہ السلام کی امامت

امامت کی علامتیں اور مختلف پہلو اس سے قبل ذکر ہو چکے ہیں نیز اس کے جزئیات اور کسی حد تک کلیات بھی واضح ہوئے۔ امامت، مکتب اہلبیتؑ کی فکری وسیاسی ودینی روش ہے جو خصوصیت سے ان کے پیروافراد اور بالعموم امت کے تمام افراد کو شامل ہوتی ہے۔ مسئلہ امامت حضرت امام محمد تقی علیہ السلام تک پہنچ کر بڑی مشکل سے دوچار ہوا کیونکہ اس وقت آپ بہت کمسن تھے اسی لیے آپ سے اس زمانہ میں بڑے مناظرے اور بحثیں ہوئیں۔ صرف سات سال کی عمر میں امام اپنے پدر بزرگوار کے سایۂ عاطفت سے محروم ہوگئے تھے۔ تاریخ اور سیرت کی کتابوں نے ان مناظروں اور بحثوں نیز امام کی شخصیت اور امامت کے لیے آپ کی لیاقت و شائستگی، ساتھ ہی ساتھ اہل بیتؑ کے بعض پیروؤں کے آپ سے جدا ہو جانے کا ذکر کیا ہے... یہاں ہم ان میں سے بعض موثق اور قابل اطمینان واقعات و مناظروں کا ذکر کرتے ہیں تاکہ ان کے ذریعہ امام جواد علیہ السلام

کی امامت کو پہچان سکیں۔

شیخ مفید جو چوتھی صدی ہجری کے عظیم عالم میں اس مسئلہ کی تحلیل کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں :

امامت اپنے اصولوں کی بنیاد پر امام رضا علیہ السلام کی حیات تک جاری رہی۔ جب آپ نے رحلت فرمائی تو آپ کے صاحبزادے امام محمد تقی علیہ السلام جو اس وقت سات سال کے تھے آپ کے جانشین ہوئے۔ اس موقع پر لوگوں نے اختلاف کیا اور تین گروہوں میں تقسیم ہوئے : ایک گروہ جو اکثریت میں تھا اس نے امام جوادؑ کی امامت قبول کی دوسرے گروہ نے (واقفیہ) کی بات کو پسند کیا اور کہہ دیا کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے بعد کوئی امام نہیں ہے۔ اور تیسرا گروہ احمد بن موسی (۳۱) کی امامت کا قائل ہوا۔ اس گروہ کا یہ خیال تھا کہ امام رضا علیہ السلام نے انہیں اپنا جانشین بنایا ہے۔

یہ تیسرا گروہ جس کی تعداد بھی کم تھی انہوں نے امام جواد کی کمسنی کو بہانا بنا کر ان کی امامت کو ماننے سے انکار کر دیا اور یہ کہہ دیا کہ نابالغ بچہ کا امام ہونا جائز نہیں ہے۔ لیکن ان کے نظریہ سے صرف نظر کرتے ہوئے واقفیہ کو یہ جواب دیا جائے گا کہ تم جس دلیل سے امام رضاؑ کی امامت کو ثابت کرو گے اسی سے امام موسیٰ کاظمؑ کی امامت بھی ثابت ہو جائے گی اور جس

سے امام رضا علیہ السلام کی امامت رد ہوگی اسی سے امام موسی کاظم علیہ السلام کی امامت بھی رد ہوگی۔ گروہ واقفیہ نے اس بات کی طرف توجہ نہیں کی کہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اس کے علاوہ انہوں نے جو امام جواد علیہ السلام کی کمسنی پر اعتراض کیا ہے بیہودہ اور غلط ہے کیونکہ حجت خدا کی عقل کمسنی ہی میں کامل ہوتی ہے اور یہ ناقابل انکار حقیقت ہے۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے :

" قالوا کیف نکلم من کان فی المهد صبیاً قال انی عبد الله آتانی الکتاب و جعلنی نبیاً "

(سورہ مریم/ ۲۸-۲۹)

انہوں نے کہا کہ ہم اس بچہ سے کیسے گفتگو کریں جو گہوارہ میں ہے (وہ بچہ خدا کے حکم سے) بولا : بلاشبہ میں خدا کا بندہ ہوں خدا نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم حضرت عیسیٰ : کے گہوارہ میں گفتگو کرنے کی خبر دیتا ہے۔ یا حضرت یحییٰ کے واقعہ میں ارشاد الٰہی ہے :

" و آتیناه الحکم صبیاً "(۳۲)

(اور ہم نے انہیں (یحییٰ کو) بچپن میں نبوت کا منصب عطا کیا)

نیز شیعہ اور غیر شیعہ اس سلسلہ میں اتفاق رائے رکھتے ہیں کہ

پیغمبر اسلامؐ نے حضرت علیؑ کو بچپن اور کمسنی میں اسلام کی دعوت کی اور دوسرے بچوں کو یہ دعوت نہیں کی۔ اسی طرح امام حسنؑ اور امام حسینؑ جب کہ دونوں بچے تھے مباہلہ کے لیے تشریف لے گئے۔(۳۳) جب کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے یا ان کے بعد کسی نے اپنے بچوں کے ہمراہ مباہلہ نہیں کیا۔

اس بنا پر اس حقیقت کے پیش نظر کہ خداوند عالم نے اپنی حجتوں کو بعض چیزوں سے مخصوص و ممتاز بنایا ہے مذکورہ گروہ کا نظریہ باطل ہو جاتا ہے۔ مزید یہ کہ اگر وہ اس کا اقرار کرتے ہیں کہ ائمہ علیہم السلام صاحبان معجزہ ہیں اور ان سے غیر معمولی چیزیں ظاہر ہوتی ہیں کہ قطعاً ایسا ہی ہے تو امام جوادؑ کے انکار کے لئے وہ جو بنیاد قائم کرتے ہیں وہ خود درجۂ اعتبار سے گر جاتی ہے۔(۳۴)

شیخ مفید علیہ الرحمہ کی مذکورہ بالا تحریر پر جو بھی غور کرے گا وہ امام رضاؑ سے امام محمد تقیؑ کو منصب امامت کی منتقلی کے دوران پیدا ہونے والی الجھن و اضطراب اور اتھل پتھل کو بخوبی محسوس کرلے گا۔

بہت سے بڑے علماء و محدثین نے اس قضیہ کو اہمیت دی ہے۔ تمام مسلمان یہ جانتے ہیں کہ سلسلۂ امامت خاندان رسالت میں برقرار رہا ہے اور امام رضاؑ اپنے زمانہ میں سب سے بڑے اور سب سے مشہور عالم و

سیاسی رہبر تھے کہ مامون نے اپنی خلافت کی ولی عہدی انہیں دے دی۔ اب جب کہ حضرتؑ کی وفات ہو گئی ہے تو آپ کے بعد امام کون ہے ؟ تمام لوگ یہ سوال کرتے تھے اور ان لوگوں کے علاوہ جو اہل بیتؑ کے گرویدہ تھے اور حقائق سے آگاہ تھے تقریباً سب نے امام جوادؑ کی امامت کو ان کی کمسنی کی بنا پر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

اس بنا پر اہل بیتؑ کی پیروی کرنے والے مختلف سطح فکر اور مختلف گروہ کی شکل میں جمع ہو کر امامت اور امام رضاؑ کے بعد کے امام کی شخصیت کے بارے میں گفتگو کیا کرتے تھے۔

علامہ مجلسیؒ نے کتاب (عیون المعجزات) میں اس زمانہ میں مسئلہ امامت کو پیش آنے والی سخت مشکلات کا ذکر کچھ اس طرح کیا ہے :

حج کے ایام تھے۔ بغداد اور دوسرے شہروں کے چالیس علماء جمع ہو کر حج کے ارادہ سے نکلے۔ وہ سب مدینہ کے راستہ سے آئے تاکہ امام جوادؑ کی زیارت کر لیں۔ جب وہ سب امام جعفر صادقؑ کے گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہ گھر خالی ہے لذا آکر ایک بڑے فرش پر بیٹھ گئے اتنے میں عبداللہ بن موسی ان کی طرف آئے اور مجلس میں ایک بلند جگہ پر بیٹھ گئے۔ منادی نے آواز دی : یہ فرزند رسول خداؐ ہیں، جسے جو سوال کرنا ہو ان سے دریافت کرے اس کے بعد خود ہی منادی نے کچھ سوال کئے اور انہوں نے غلط جواب

دیئے۔ شیعہ حیرت زدہ اور غمگین ہوئے اور فقہا پریشانی کے عالم میں اٹھ کھڑے ہوئے اور جانے کا ارادہ کیا۔ انہوں نے یہ سوچا کہ اگر امام جوادؑ امام ہوتے تو سوالات کے مکمل جواب دیتے۔ اسی وقت مجلس کے بلند حصہ کی طرف ایک دروازہ کھلا اور موفق (امام کا خادم) داخل ہو کر بولے : یہ ابو جعفر امام جواد علیہ السلام ہیں سب کے سب کھڑے ہو گئے ان کے پاس گئے اور ان کی خدمت میں سلام کیا۔ پھر امامؑ جن کے جسم مبارک پر دو پیراہن، سر پہ عمامہ اور پیروں میں نعلین تھی مجلس میں تشریف لائے اور بیٹھے سب لوگ خاموش ہو گئے جو شخص سوالات لے کر آیا تھا کھڑا ہوا اس نے سوال دریافت کئے امامؑ نے ان کا صحیح و مکمل جواب دیا جسے سن کر سب خوش ہو گئے۔ حضرت کے حق میں دعا کی اور ان کا شکریہ ادا کیا اور ان سے عرض کیا کہ آپ کے چچا عبداللہ نے تو ایسے ویسے فتوے دیے ہیں! امام نے فرمایا : " لا اله الا الله " اے چچا کل قیامت کا دن آپ کے لیے بڑا سخت ہو گا جب آپ خدا کے سامنے کھڑے ہوں گے اور وہ فرمائے گا کہ تو نے علم کے بغیر بندوں کو فتویٰ کیوں دیا جب کہ امت میں آپ سے زیادہ عالم شخص موجود تھا(۳۵)

امام رضاؑ کے چچا علی بن جعفر کی حدیث میں بھی اس مشکل کا ذکر موجود ہے اور امام جواد علیہ السلام کی امامت ثابت ہوئی ہے۔ خصوصیت

سے جب کہ علی بن جعفرؑ اپنے بھائی امام موسیٰ بن جعفرؑ، اپنے بھتیجہ امام رضاؑ اور امام جوادؑ کے ہم عصر تھے ان سے نقل ہے کہ : خداوند عالم نے ابوالحسن امام رضاؑ کی مدد کی جب کہ ان کے بھائی اور چچا نے ان پر ستم کیا۔ ساتھ ہی علی بن جعفرؑ ایک حدیث نقل کرتے ہوئے یہاں تک کہتے ہیں کہ : پس میں اٹھا اور امام رضاؑ کے بیٹے امام جوادؑ کا ہاتھ پکڑ کر بولا : میں خدا کی بارگاہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ میرے امام ہیں (۳۶)

یہ حدیث اور اس کی مضبوط سند، اس سے پہلے کی حدیث نیز ایسی ہی بہت سی حدیثیں امام رضاؑ کے بعد مسئلہ امامت میں اضطراب اور مشکل کو واضح کرتی ہیں خصوصاً یہ دیکھتے ہوئے کہ امام جواد علیہ السلام اس وقت بہت کمسن تھے۔ خداوند عالم نے امام رضاؑ کی زندگی کے آخری برسوں تک آپ کو فرزند عطا نہیں فرمایا تھا اور یہی بات اہل بیتؑ کی پیروی کرنے والوں کی تشویش کا باعث تھی کہ امام رضاؑ کا جانشین کون ہوگا۔ لہذا لوگ جب بھی امام رضاؑ سے ملاقات کرتے تو آپ کے جانشین کے بارے میں دریافت کرتے تھے اور امامؑ بھی انہیں اطمینان دلاتے تھے کہ میرا جانشین میرا فرزند ہے۔

آخر کار خداوند عالم نے آپ کو فرزند عطا فرمایا۔ جب امام جوادؑ پیدا ہوئے تو فطری طور سے امام کی معرفت کے بارے میں امام رضاؑ سے سوال کئے جانے لگے کہ کیا یہی امام جواد علیہ السلام ہیں جو ابھی بچہ ہیں آپ کے

جانشین ہیں ؟ اور اگر ایسا ہے تو آپ اس کمسنی میں امامت کا سنگین بوجھ کیسے سنبھالیں گے ؟ امام رضاؑ بھی تاکید فرماتے تھے کہ میرے بعد میرا فرزند حضرت محمد تقیؑ (جواد) ہی امام ہے اور وہی اس منصب کا سزاوار ہے۔

علی بن اسباط، یحییٰ صنعائی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا : میں امام رضاؑ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ امام جوادؑ کو کیلے کھلا رہے تھے میں نے عرض کیا، آپ پر قربان ہو جاؤں کیا یہ آپ کے مبارک فرزند ہیں فرمایا : ہاں اے یحییٰ یہ وہ بچہ ہے کہ اسلام میں اس کے جیسا اور اس سے با برکت بچہ شیعوں کے لئے پیدا نہیں ہوا ہے۔ (٣٧)

احمد بیہقی کے بیٹے حاکم ابو علی نے نقل کیا ہے کہ : محمد بن یحییٰ صولی نے مجھ سے کہا کہ عون بن محمد نے ہم سے کہا کہ ابو حسین بن محمد بن ابی عباد جو امام رضاؑ کے کاتب فضل بن سہل کے ہمراہ تھے انہوں نے کہ : امام رضاؑ کبھی اپنے فرزند امام جوادؑ کو ان کے نام سے نہیں پکارتے تھے بلکہ ہمیشہ انہیں کنیت سے یاد کرتے تھے اور فرماتے تھے "ابو جعفر نے مجھے لکھا اور میں نے ابو جعفر کو لکھا۔ جب کہ وہ مدینہ میں تھے اور بہت کمسن تھے" آپ ابو جعفر (امام جواد علیہ السلام) کو تعظیم کے ساتھ خطاب فرماتے تھے اور وہ بھی اپنے پدر بزرگوار کو بڑی فصاحت و بلاغت کے ساتھ جواب دیتے تھے اور میں نے سنا ہے کہ امام رضاؑ فرماتے تھے کہ ابو جعفر میرے خاندان میں

میرے بعد میرے وصی و جانشین ہیں۔(۳۸)

روایان حدیث میں سے ایک شخص خیرانی نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے کہ میرے بابا نے کہا: میں خراسان میں امام رضاؑ کی خدمت میں کھڑا تھا کہ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ اگر زندگی باقی رہی تو کس طرف رجوع کروں گا؟

امام رضاؑ نے فرمایا: میرے بیٹے ابو جعفر (امام جوادؑ) کی طرف۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ پوچھنے والے کا خیال یہ تھا کہ منصب امامت کے لئے امام جوادؑ کا سن بہت کم ہے اس لیے امام رضاؑ نے فرمایا:

" ان اللّٰه سبحانه بعث عیسی رسولاً، نبیاً، صاحب شریعة مبتدأة فی اصغر من السن الذی فیه ابو جعفرؑ " (۳۹)

(خداوند عالم نے حضرت عیسیٰ کو رسول و نبی اور صاحب شریعت بنایا جب کہ اس وقت وہ سن کے اعتبار سے ابو جعفر (امام جوادؑ) سے بہت ہی چھوٹے تھے)۔

معمر بن خلاد سے نقل ہے کہ: میں نے امام رضاؑ سے سنا کہ آپ نے کچھ مسائل بیان کرنے کے بعد فرمایا:

" ما حاجتکم الی ذالك، هذا ابو جعفر، قد اجلسته مجلسی و صیرته مکانی، ... و قال: انّا اهل بیتؑ

یتوارثون اصاغرنا من اکابرنا القذة بالقذة " (٤٠)

(تمہیں اس کی کیا ضرورت ؟ یہ ابو جعفر ہیں میں نے انہیں اپنی جگہ پر بیٹھایا ہے اور اپنا جانشین کیا... اس کے بعد فرمایا : ہم اہل بیتؑ ہیں۔ ہمارا چھوٹا ہمارے بزرگوں سے مکمل طور پر اور موبہ مو میراث پاتا ہے)۔

جب امام جوادؑ کی امامت کے بارے میں ان کے پدر بزرگوار امام رضاؑ اس طرح گواہی دیں جو خود فضیلت و علم و تقوی اور امامت و سیاست میں اس مرتبہ پر ہوں کہ امت کے تمام علماء رہبران اور اہل سیاست یہاں تک کہ مامون بھی ان کے فضائل و کمالات کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو، انہیں اپنا جانشین قرار دے اور ان کے لیے لوگوں سے بیعت لے... تو پھر علی بن جعفر صادقؑ (٤١) جو امام رضاؑ کے چچا اور ایسے قابل اطمینان راوی اور مشہور و معروف عالم ہیں کہ اہل علم و حدیث اور مختلف مذاہب کی بلند شخصیتیں ان کی پاکیزگی اور وثوق پر گواہ ہیں، وہ کیوں نہ امام جواد علیہ السلام کی امامت کا اقرار کریں۔

محمد بن حسن بن عمار سے نقل ہے کہ انہوں نے کہا کہ : میں علی بن جعفرؑ بن محمدؑ کے پاس بیٹھا ہوا تھا (میں تقریباً دو سال ان کی خدامت میں رہا ہوں اور جو کچھ وہ اپنے بھائی امام موسیٰؑ بن جعفرؑ سے نقل کرتے تھے لکھتا تھا)

کہ اتنے میں امام جوادؑ ان کے پاس آئے اس وقت علی بن جعفرؑ بغیر نعلین و ردا کے اٹھ کھڑے ہوئے ان کا ہاتھ چوما اور ان کی تعظیم کی۔

امام جوادؑ نے فرمایا : اے چچا خدا آپ پر رحمت نازل کرے بیٹھ جایئے۔

انہوں نے کہا : اے آقا میں کیسے بیٹھوں جب کہ آپ کھڑے ہیں ؟ جب علی بن جعفرؑ بیٹھ گئے تو اصحاب نے ان کی توبیخ کرتے ہوئے کہا آپ ان کے باپ کے چچا ہیں (یعنی بہت بڑے ہیں پھر) ان کے ساتھ ایسا انداز کیوں اختیار کرتے ہیں ؟ علی بن جعفرؑ نے کہا : خاموش رہو جب خدائے عظیم نے (یہاں انہوں نے اپنی داڑھی ہاتھ سے پکڑ کر کہا) اس بوڑھے کو شائستہ و لائق نہیں جانا اور اس جوان کو لائق و سزاوار جانا اور منصب امامت سے نوازا تو کیا میں ان کی فضیلت و مرتبہ کا منکر ہو جاؤں ؟ میں تمہاری باتوں سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں اور ان کا مطیع ہوں۔(۴۲)

اب تک ہم نے امام جوادؑ کی امامت کے بارے میں حج کے زمانہ میں مدینہ آنے والے علماء و فقہاء کے گروہ کی تصدیق، امام رضاؑ کی گواہیوں اور علی بن جعفر جیسی عظیم شخصیت کے اعتراف کے واقعات پڑھے اب ہم آپ کی امامت کے متعلق مامون عباسی اور حکومت کے قاضی یحیی بن اکثم کے اعترافات نیز مامون کی مجلس میں امام اور یحیی بن اکثم کے درمیان

ہونے والے مناظرات کے نتیجہ میں امام کی علمی لیاقت و برتری اور عباسیوں کی عاجزی کا حال پڑھیں گے۔

پہلے ہم مامون اور ان عباسی امراء کی گفتگو نقل کرتے ہیں جو مامون کی بیٹی ام الفضل اور امام جوادؑ کی شادی کے مخالف تھے۔ مامون نے ان سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

یہ جو میں نے امام رضاؑ کے فرزند کو اپنی بیٹی سے شادی کے لیے منتخب کیا ہے، یہ اس لیے ہے کہ وہ اگر چہ سن کے اعتبار سے چھوٹے ہیں لیکن علم وادب و معرفت میں تمام اہل فضل سے برتر ہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ اے امیر المومنین وہ ایک کمسن بچہ ہے لہذا اسے علم وادب سے کیا سروکار اسے ابھی بڑھنے لکھنے دیجئے پھر بعد میں جو چاہئے گا کیجئے گا۔

مامون نے کہا: لگتا ہے تمہیں میری بات پر شک ہے۔ اگر چاہو تو اسے آزمالو یا کسی کو بلالو جو اس کا امتحان لے، اس کے بعد اس کے سلسلہ میں مجھے ملامت کرنا۔ انہوں نے کہا: آپ ہمیں اس کام کی اجازت دیتے ہیں؟

مامون نے کہا: ہاں ضرور۔ بنی عباس نے کہا: پھر یہ امتحان آپ کی موجودگی میں ہوگا اور شریعت کے امور سے آگاہ ایک شخص ان سے سوال کرے گا۔ اگر صحیح جواب دیے تو ہمیں ان سے متعلق کوئی اعتراض نہ ہوگا اور سب پر امیر المومنین کی بات واضح ہو جائے گی۔ اور اگر جواب نہ

دے سکے تو پھر امیر المومنین کو ہماری بات ماننے میں کوئی عذر نہ ہوگا۔ مامون نے قبول کیااور کہا: تم جب چاہو یہ کام انجام دے سکتے ہو۔ وہ لوگ مامون کے پاس سے اٹھے اور طے کیا کہ اس وقت کے قاضی القضات یحیی بن اکثم کو اس کام کے لیے راضی کریں اس سے وعدہ کیا کہ جب وہ امام کو شکست دیدے اور شرمندہ کردے گا تو اسے انعام واکرام سے نوازیں گے اس کے بعد وہ پھر مامون کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ ایک روز معین کردے اور یہ کام اسی کے سامنے انجام پائے۔ اس نے بھی ایک دن معین کیا سب اس دن جمع ہوئے۔ اس جلسہ میں بنی عباس کے سرکردہ افراد، یحیی بن اکثم اور اہل دربار موجود تھے۔ مامون نے حکم دیا کہ امام کے لیے ایک فرش بچھایا جائے، دو نقاش اور صورت نگار بھی ساتھ میں بٹھائے گئے امام جوادؑ فرش پہ آکر ان کے درمیان تشریف فرما ہوئے اور قاضی یحیی بن اکثم ان کے روبرو آکر بیٹھا۔ جب سب اہل دربار بیٹھ چکے تو یحیی بن اکثم نے امامؑ سے سوالات کرنے شروع کیے جو اس نے پہلے سے سوچ رکھے تھے۔ امام نے بھی قاطع انداز میں قلب کو مطمئن کرنے والے ایسے منطقی جوابات دیے کہ تمام حاضرین آپ کی فصاحت وبلاغت لہجہ اور گفتار پر تعجب سے عش عش کرنے لگے اور مامون نے کہا: اے ابو جعفرؑ آپ نے خوب جواب دیئے۔(۴۳)

اس موقع پر تمام علماء، فقہاء اور امراء نے ان کے آگے سر جھکا دیے اور ان کی امامت کا اعتراف کیا اس طرح آپ اپنے بزرگوں کی روش پر چلتے ہوئے امامت کا علمی و سیاسی بار اٹھانے والے قرار پائے۔

خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے : امام محمد تقی علیہ السلام سے مختلف طریقوں سے احادیث نقل ہوئی ہیں جس کی عبارت اس طرح شروع ہوتی ہے

" و قد اسند محمد بن علی الحدیث عن ابیه " (٤٤)

یعنی محمد بن علی (امام محمد تقی علیہ السلام نے اپنے پدر بزرگوار سے امام (علی رضاؑ) سے روایت نقل کی ہے)

ان ہی ائمہ کے علمی جہاد کی بنا پر اہل بیتؑ کی روش کتاب و سنت کی بنیاد پر علمی منطقی اور فکری و عقلی روش پہچانی گئی... اور ہم نے دیکھا کہ حاکم وقت مامون عباسی کس طرح امام کے علم و فلسفہ و کلام اور کس طرح آپ کی علمی شخصیت سے حیرت زدہ و متاثر ہوا اور آپ کی تعظیم پر مجبور ہوا اور اپنی بیٹی ام الفضل سے آپ کی شادی کر دی۔ کس طرح یحیی بن اکثم قاضی وقت سے علمی مناظرہ کے لیے دربار لگایا جس کا سلسلہ گھنٹوں بلکہ کئی دنوں تک جاری رہا جس میں امامؑ سے اہم فکری و شرعی سوال دریافت کئے گئے اور امامؑ نے اپنی کمسنی کے باوجود بڑے ہی عالمانہ اور واضح انداز میں ایسے جواب

دیے، جس سے حاضرین دربار نہ صرف متاثر ہوئے بلکہ آپ کی علمی لیاقت کا لوہا ماننے لگے۔

امام کا علمی مرتبہ

جو شخص بھی رہبران اہل بیت علیہم السلام کی سیرتوں کا مطالعہ کرتا ہے اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ہر امام اپنے زمانہ کے علماء کے درمیان سب سے زیادہ باعظمت رہا ہے اور اپنے عہد کے علماء و مفکرین کا مرجع و مرکز قرار پایا ہے۔ اس اعتبار سے ائمہ اہل بیتؑ کے مکتب فکر کا سرچشمہ و منبع، علماء کے پیشوا، صحابۂ کرام کے مرکز اور ائمہ کے پدر بزرگوار یعنی حضرت علی بن ابی طالبؑ (۴۵) ہیں اور ان بارہ ائمہ علیہم السلام کی آخری فرد بھی اسی بابرکت گھر کی چشم و چراغ ہے۔ پس مکتب اہل بیت کی راہ، اس کی بنیادیں، روش اور افکار سب پر مشخص و واضح ہیں۔

ائمہ اہل بیت علیہم السلام اپنے ان تمام پاک نہاد علماء و فقہاء کے شریک ہیں جنہوں نے ان کے مکتب میں تربیت پائی ان کی تعلیمات سے استفادہ کیا اور اسلامی علوم کو ان کے ذریعہ حاصل کیا ہے کیونکہ انہوں نے علوم اہل بیت علیہم السلام حاصل کئے اور اس مکتب فکر کو قائم کرنے اس

کے علمی ارکان کو محکم بنانے اور توحید ، تفسیر ، فقہ ، حدیث ، فلسفہ سائنس، علم کلام اور اصول وغیرہ نیز اسلامی معارف کو عالمی سطح پر عام کرنے میں بڑا جہاد کیا۔ یہاں تک کہ یہ علمی مکتب اپنی توانائی کی بنیاد پر رفتہ رفتہ تمام اسلامی مذاہب و مکاتب فکر میں ممتاز قرار پایا۔

آج مکتب اہل بیت علیہم السلام اسلامی معارف اور شرعی علوم کے میدان میں سب سے نمایاں ، غنی ترین اور پر فیض مکتب ہے اور امام جواد علیہ السلام نے اپنی سترہ سالہ امامت کے دوران اس علمی مکتب کو غنی تر کرنے اور اس کی میراث کو محفوظ کرنے میں بڑی جانفشانی کی ہے۔ اس دور کا امتیاز یہ ہے کہ یہ مکتب اس دور میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اقوال اور کتاب و سنت کے ذریعہ احکام کو سمجھنے اور ان کے استنباط پر منحصر رہا ہے وہ بھی ایسا استنباط جو حقائق کو کتاب خدا اور احادیث پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے حاصل کرتا تھا اور واقعی و صحیح حکم بیان کرتا تھا۔ اس کے علاوہ اس دور میں عقلی علوم و معارف کو بھی اہمیت دی گئی جنہیں دینی پیشواؤں اور ان کے شاگردوں نے کمال عطا کرنے اور غنی بنانے میں بڑا حصہ لیا۔ یہاں تک کہ آج عقلی علوم اسلامی ایڈیالوجی اور شریعت محمدیؐ کے لیے بلند ستون اور محکم قلعہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اس مکتب فکرکی بعض علمی بنیادیں :

۱- میراث نبوت کی حفاظت ، اس کی سیرت و روایات کو نقل کر کے بطور کامل میراث کی شکل میں حضرت علی و امام حسن و امام حسین علیہم السلام سے بعد کے معصوم سلسلوں تک منتقل کرنا اور انہیں مسلمانوں کے درمیان رائج کرنا کیونکہ تمام مسلمان ائمہ اہل بیتؑ کی امانتداری اور ان سے نقل شدہ روایات کے قابل اطمینان ہونے میں اتفاق رائے رکھتے ہیں۔

۲-اسلامی مطالب کے سمجھنے اور ان کی تفسیر میں عقل پر توجہ اور اس کی کار سازی کا احترام کرنا نیز عقل کو اسلام کے دفاع پر مامور کرنا اور اس کے ذریعہ دشمنان اسلام کو دفع کرنا اور ان لوگوں کا مقابلہ کرنا جو قرآن و سنت اور علوم عقلی مثلاً فلسفہ وکلام وغیرہ... کے ذریعہ فہم واستنباط اور نتیجہ گیری کو غلط سمجھتے ہیں۔

اس مکتب کے پیشواؤں نے اپنی روش کو قائم و محکم کرنے کے لیے بعض اسلوب اپنائے جن میں سے مشہور حسب ذیل ہیں :

الف : ایسے شاگردوں اور عالموں کی تعلیم و تربیت جو شریعت کے علوم و معارف حاصل کرنے کی پوری توانائی رکھتے ہوں اور انہیں ترغیب دینا کہ جو کچھ انہوں نے اہل بیتؑ وائمہ معصومینؑ سے حاصل کیا ہے

اسے مرتب و محفوظ کریں۔ ساتھ ہی انہیں علوم شریعت کے بیان کرنے اور محفوظ کرنے کے لیے تالیف و تدوین پر مامور کرنا اور انہیں آمادہ کرنا کہ مسلمانوں کو تعلیم دیں اور ان میں رائج گمراہ افکار کو دور کریں۔

ہر امام کے گرد ایسے شاگردوں کی تربیت ہوئی جو ان ہی ائمہ سے روایت نقل کرتے تھے اور تالیف و تدوین کرتے تھے۔ امام جوادؑ نے بھی اپنے اجداد کے مانند اس فریضہ کو بخوبی انجام دیا اور رجال و حدیث کے ایسے اصحاب کی تربیت فرمائی۔ ان افراد کا آپ نے نام لیا ہے جن کی تربیت فرمائی یا جنہوں نے ان کے آبائے کرام سے اسلامی علوم و معارف حاصل کئے ہیں اور امام اور امت کے درمیان رابط و واسطہ رہے ہیں۔

شیخ طوسیؒ نے اپنی کتاب رجال میں تقریباً سو عدد اصحاب امامؑ جواد کے نام ذکر کئے ہیں جن میں دو عورتیں بھی تھیں ان لوگوں نے امام کی شاگردی کی ہے، ان سے روایت نقل کی ہے اور قابل اطمینان بھی ہیں۔

ان علماء نے امام جوادؑ سے روایات بھی نقل کیں اور مختلف علوم و معارف میں کتابیں بھی لکھی ہیں۔ انہوں نے اپنے اس اقدام سے اس مکتب فکر کو قوت بخشی ہے افکار کو بلند کیا اور مکتب اسلام پر بڑا اثر ڈالا ہے۔ ذیل میں ہم امامؑ کے بعض شاگردوں کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے امام سے روایت نقل کی ہے اور علم رجال کے علماء و محققین نے ان سے روایت کی ہے :

۱- امام جواد علیہ السلام کے اصحاب میں سے ایک احمد بن محمد بن خالد برقی ہیں۔ علمائے علم رجال نے ان سے روایت نقل کی ہیں۔ نقل ہے کہ انہوں نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں جن میں سے بعض کتابوں کا تذکرہ شیخ طوسی نے کیا ہے... اور نجاشی (۴۶) نے بھی اپنی کتاب رجال میں ان کا ذکر کیا ہے اور نوے سے زیادہ کتابوں کو شمار کیا ہے۔ (۴۷)

۲- علی بن مہزیار اہوازی، جلیل القدر صحابی ہیں ان سے بہت سی روایتیں نقل ہوئی ہیں۔ انہوں نے تینتیس سے زیادہ کتابیں مثلاً حسین بن سعید، کتاب زیادہ، کتاب حروف القرآن، کتاب الانبیاء، کتاب الشہادات وغیرہ لکھی ہیں۔ (۴۸)

۳- صفوان بن یحیی شیخ طوسی نے ان کی تعریف یوں کی ہے، وہ اپنے زمانہ کے لوگوں میں اصحاب امامؑ کے درمیان سب سے زیادہ مورد اطمینان، سب سے زیادہ عابد شخص تھے وہ ہر روز ایک سو پچاس رکعت نماز پڑھتے، ہر سال میں تین ماہ روزہ رکھتے اور اپنے مال کی زکات سال میں تین مرتبہ ادا کرتے تھے۔

انہوں نے امام رضا علیہ السلام، امام جواد علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے چالیس اصحاب سے روایات نقل کی ہیں۔ انہوں نے بہت سی کتابیں لکھیں ہیں منجملہ حسین بن سعید، و مسائل، آپ نے امام

موسی کاظم علیہ السلام سے بھی روایات نقل کی ہیں۔(۴۹)

۴- علی بن جعفر الصادق علیہ السلام آپ امام جعفر صادق علیہ السلام کے بیٹے اور امام رضا علیہ السلام کے چچا ہیں۔ حافظ رازی نے اپنی کتاب رجال میں راویان حدیث کا تعارف کرایا ہے۔اس نے امام موسی کاظم علیہ السلام کے بارے میں لکھا ہے کہ : موسی بن جعفر علیہما السلام... نے اپنے پدر بزرگوار سے روایت نقل کی ہے ان کے بیٹے علی بن موسی رضا علیہ السلام اور ان کے بھائی علی بن جعفر علیہ السلام نے بھی ان سے روایت نقل کی ہے۔

میں نے یہ باتیں اپنے باپ سے سنیں اور جیسا کہ عبد الرحمٰن کہتے تھے ایک شخص نے میرے باپ سے علی بن جعفر علیہ السلام کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا : وہ سچے ، ثقہ اور مسلمانوں کے پیشواؤں میں سے ایک پیشوا تھے۔(۵۰)

۵-احمد بن محمد بن ابو نصر بزنطی، آپ کوفہ کے رہنے والے تھے ثقہ اور مورد اطمینان تھے۔ آپ نے امام رضا علیہ السلام سے بھی ملاقات کی تھی آپ امام (محمد تقی علیہ السلام) کی خدمت میں بلند درجہ و مقام رکھتے تھے نقل ہے کہ آپ نے کتاب الجامع ، کتاب النوادر اور دوسری کتابیں بھی لکھیں ہیں۔

امام جواد علیہ السلام کے مکتب نے ایسے گرانقدر علماء اور شاگردوں کی تربیت کی جن میں سے ہر ایک نے حضرت سے علوم حاصل کئے اور اسلامی فکر و معرفت کی اشاعت میں سہیم ہوئے۔

ب: دوسرا شیوہ یہ تھا کہ امامؑ کی توجہ اشاعت علم و معرفت، اسلامی افکار کی شناخت کرنا، لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا اور مکتب اہل بیتؑ اور اس کے آثار و منقولات کے سایہ میں عقیدہ و شریعت کی بنیادوں کو مستحکم کرنا تھا۔

اسی بنا پر ائمہؑ اپنے نمائندوں کو عالم اسلام کے اطراف و جوانب میں بھیجتے تھے تاکہ لوگوں کو اسلام سے روشناس کرائیں اس کی پیروی کی دعوت دیں اور اس کے احکام لوگوں تک پہنچائیں۔

بیشتر اوقات آپ اپنی علمی، سیاسی و سماجی ذمہ داریاں مخفی طور پر انجام دیا کرتے تھے کیونکہ حاکم طاقتیں اہل بیتؑ کی خدمتوں کی مخالف ہوتی تھیں اور وہ نیز ان کے ماننے والے ظلم اور سیاسی و سماجی فساد اور احکام شریعت کی رکاوٹ پر ان حکام سے مخالف رخ اپناتے تھے۔

ہم امام محمد تقی علیہ السلام کے خطوں میں ان کے شاگردوں کے نام اور ان کی تعداد کا ذکر پاتے ہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ امامؑ اپنے نمائندوں پر کتنی توجہ اور کتنا اعتماد کرتے تھے اور انہیں اپنے ہاتھوں سے

تعلیم و تربیت دے کر عالم اسلام کے مختلف حصوں میں روانہ کرتے تھے تاکہ وہ احکام شریعت اور اسلام کے حقیقی افکار کی تبلیغ کریں... یہی وجہ ہے کہ مکتب اہل بیت علیہم السلام پورے عالم اسلام میں وسیع پیمانہ پر ایک منظّم علمی درسگاہ رہا ہے۔ امامؑ کے بہت سے نمائندے تو آپ کے شاگرد و اصحاب میں سے تھے جو آپ ہی کے سایہ میں پروان چڑھے تھے اور مختلف علوم کے زیور سے آراستہ ہوئے تھے لیکن ان میں سے بعض نے طولانی حیات پائی تھی اور آپ کے پدر واجدار علیہم السلام یا آپ کی اولاد سے بھی کسب فیض کیا تھا۔

ج : تیسری روش جو اہل بیتؑ اسلامی افکار کی اشاعت، امت کی تعلیم وتربیت اور شریعت کے حقیقی چہرہ کو برقرار رکھنے کے لئے اپناتے تھے وہ مناظرہ اور علمی گفتگو تھی۔

حدیث وروایات کی کتابوں نے اسلام کے دفاع اور اس کی بنیادوں کو مستحکم کرنے میں توحید، تفسیر، روایت وغیرہ جیسے میدانوں میں ہونے والے مناظروں کے گویا نمونے ہمارے لئے اپنے دامن میں محفوظ کر رکھے ہیں، ائمہؑ کے ان علمی مناظروں کو چند حسب ذیل قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

پہلی قسم : وہ گفتگو اور مناظرے جن کے ذریعہ ائمہؑ نے کفر والحاد

اور مختلف اسلام مخالف ادیان، گمراہ افکار، فلسفوں اور نظریوں کے مقابل اسلام کا دفاع کیا ہے۔

دوسری قسم : وہ گفتگو اور مناظرے جن میں ائمہؑ نے بعض مسلمانوں کے درمیان پھیلے ہوئے غلط اور گمراہ کن افکار کی رد کی ہے مثلاً غلو، خدا کا جسم ہونا، اللہ کے امور کی تفویض نیز بعض مسلمان فلاسفہ، متکلمین اور صوفیوں کی لغزشوں کا جواب... ۔

تیسری قسم : یہ وہ مناظرے ہیں جن میں ائمہؑ نے اسلام میں در آنے والے بعض ناروا اور مخفی مسائل کو ظاہر و آشکار کیا ہے اور علمی خطاؤں و فکری غلطیوں کا انکشاف کرتے ہوئے حقیقت کو واضح اور صحیح راہ کو نمایاں کیا ہے۔

چوتھی قسم : یہ وہ مناظرے ہیں جو ائمہ علیہم السلام اور ان کے زمانہ کے علماء کے درمیان ہوئے جو کبھی سوال کی شکل میں اور کبھی ان پر ہونے والے اعتراض کے جواب میں سامنے آئے یا یہ کہ وہ علماء ان مسائل کے ذریعہ دوسروں پر تنقید و اعتراض کرنا چاہتے تھے کہ ائمہ توحید، فقہ، اصول اور تفسیر وغیرہ کے میدان میں ان سے گفتگو کا آغاز کرتے اور مناظرہ فرماتے تھے۔

د : اہل بیتؑ کی چوتھی روش اپنے اصحاب کے ذریعہ کتابوں کی

تدوین و تالیف کی تھی جس کا تذکرہ ہم بعض اصحاب امامؑ کے ذکر میں کر چکے ہیں جنھوں نے کتابیں تالیف و تحریر فرمائی تھیں جس کے نتیجہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ علم کے میدان میں تالیف و تحریر اور اسلامی زندگی کی حیات کے لئے آج تک کتاب اور کتب خانوں نے کیا موثر کردار ادا کیا ہے اور حقائق کی جستجو کرنے والوں کو کتنا مستغنی کیا ہے۔

امامؑ کے زمانے کی سیاست

ائمہ علیہم السلام اپنے عہد کی حکومتوں کے مخالف سیاسی روش اور سیاسی محاذ اپناتے تھے ،وہ اور ان کے ماننے والے امویوں اور عباسیوں کے ظالمانہ تسلط کے مخالف تھے جو ظلم و ستم اور رعب و دحشت کے ذریعہ مسلمانوں کی گردنوں پر سوار ہو گئے تھے اور جو سیاسی روش پیغمبر اسلامؐ نے بنائی تھی اس سے دور ہو گئے تھے۔

تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اہل بیتؑ ان ظالم حکومتوں کے خلاف انقلابات اور سیاسی تحریکوں کے علمبردار رہے اور ان تحریکوں کے لیڈروں، سیاسی شخصیتوں، صاحبان فکر اور بزرگوں کی امیدوں کا مرکز تھے ، اہل بیتؑ کے پیشوا اور رہبر، امت کے دلوں میں بہت بلند درجہ رکھتے تھے اور امت ان کا مثالی احترام کرتی تھی جیسے تمام محبتیں اور احترام ان ہی کے لئے ہیں ، ہاں بس وہی افراد ان سے عناد رکھتے تھے جو لوگوں پر زبردستی حاکم ہو گئے تھے اور ان کی وجہ سے اپنے

ذاتی منافع کو خطرہ میں پاتے تھے یا پھر جن پر تعصب و جہالت مسلط ہوتی تھی وہ ان کے دشمن ہوتے تھے، ائمہ اہل بیتؑ حضرت علی علیہ السلام سے لے کر آخری امام تک سب اپنے زمانہ کی ظالم حکومتوں کے خلاف نبرد آزما رہے کیونکہ وہ ایسی سیاست کے رہبر و قائد تھے جس کے زیر نگاہ ظالموں کی مخالفت اور سماج کی اصلاح کی ذمہ داری تھی، یہ ان حکام کے مخالف تھے جو تمام انسانوں اور خصوصاً اہل بیتؑ سے سخت دشمنی رکھتے تھے اور اسلام کی حقیقی روش سے منحرف ہو چکے تھے۔

حکام وقت بھی اہل بیتؑ کے ان افراد کو جن کے ہاتھوی میں امامت کی باگ ڈور ہوتی تھی اپنی مخالف سیاست کا سر چشمہ اور مجاہدات و مخالفت کا مرکزی نقطہ سمجھتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ کوئی بھی امام قید و بند، ظلم و بیداد اور قتل سے محفوظ نہیں رہا، ہاں امام محمد تقیؑ کی امامت کے زمانہ کا امتیاز یہ تھا کہ اس وقت ائمہ اہل بیتؑ کے خلاف ظلم و جور اور رعب و وحشت میں کچھ کمی تھی، اس زمانہ میں مامون و معتصم کے درمیان رسہ کشی اور عباسیوں میں طاقت کی لڑائیاں اوج پر تھیں۔

مامون اپنے بھائی امین پر فتح پانے اور اس کے فوجی سردار طاہر بن حسین کے ذریعہ امین کے قتل کے بعد حالات پر مسلط ہو گیا، امین کا قتل، حضرت علی رضاؑ کی ولی عہدی، مامون کا اپنی بیٹی ام حبیب سے امام کی شادی

کرنا اور دوسری بیٹی ام الفضل سے امام محمد تقیؑ کی شادی کرنا، ان تمام حالات میں عباسیوں کے درمیان جنگ و نزاع ابھی باقی تھی کیونکہ مامون نے ان تمام باتوں کے علاوہ ایک سیاسی نعرہ بھی بلند کر رکھا تھا اور وہ یہ کہ حضرت علی ابن ابی طالبؑ رسول خداؐ کے بعد تمام لوگوں سے افضل تھے۔(۵۱)

ان کاموں سے اور ان نعروں سے مامون کا مقصد یہ تھا کہ اہل بیتؑ کے چاہنے والوں کو اپنی طرف مائل کرے اس طرح علویوں کا انقلاب ٹھنڈا پڑ جائے، وہ عوام کے درمیان ہر دل عزیز ہو جائے تاکہ اپنے خلاف پیدا ہونے والے منفی اثرات کا مقابلہ کر سکے، لیکن امام رضاؑ نے ولی عہدی کو مجبوراً قبول کیا اور یہ شرط رکھی کہ حکومت کے کاموں میں کوئی مداخلت نہ کریں گے، امامؑ کا مقصد اس شرط سے یہ تھا کہ وہ کسی بھی کام کی ذمہ داری قبول نہ کریں گے اس طرح مامون کی حکومت کو شرعی و قانونی حیثیت نہ مل پائے گی۔

امام محمد تقیؑ کے عہد کے انقلابات

مامون کی خواہش کے بر خلاف عوام کے ساتھ اس کی غلط سیاست کے نتیجہ میں علویوں کے بہت سے انقلابات وجود میں آئے اور ظاہر ہے کہ ایسے میں امت کی پناہگاہ اہل بیتؑ اور ان کے چاہنے والے تھے، اہل بیتؑ کی قیادت میں علوی سیاست کے دو پہلو تھے ظاہری و باطنی، انشاء اللہ ہم امام جواد کی سیاست پر روشنی ڈالتے ہوئے اس پہلو پر بحث کریں گے کہ امام کس نے طرح مخفی طور پر سماج کی فکری و سیاسی رہنمائی کی اور اس راہ میں اپنی پوری توانائی صرف کی، البتہ ائمہ معصومینؑ کبھی بھی سیاسی بازی گری اور حیلہ و نیرنگ سے کام نہیں لیتے تھے جیسا کہ مامون اور اس جیسے حکام کا مشغلہ ہوتا تھا تاکہ اس کے ذریعہ اپنے مخالفوں کی حرکتوں سے آگاہ ہو سکیں۔ حتی اگر ہم یہ فرض بھی کرلیں کہ مامون امام جواد علیہ السلام کے سلسلہ میں صداقت و اخلاص رکھتا تھا جب بھی دشمنان اہل بیتؑ اور ان کے ہم خیال افراد ہمیشہ اس انتظار میں رہتے تھے کہ ائمہ کے حالات سخت ہوں کیونکہ

حکام اور ان کے ماتحت ہمیشہ ان کی تاک میں رہتے تھے اس لیے کہ وہ عوام کے درمیان ان حضرات کے نفوذ، ان کے علمی و سیاسی مقام و مرتبہ اور عوام سے ان کے مضبوط رابطہ سے خوفزدہ رہا کرتے تھے۔ ہم یہاں بہت ہی اختصار کے ساتھ ان سیاسی انقلابات و حوادث پر روشنی ڈالیں گے جو علویوں کی جانب سے اس زمانہ میں وقوع پزیر ہوئے اور جن میں آل محمدؐ کی رضا شامل تھی۔ البتہ رضائے آل محمدؐ سے مراد ہمیشہ اس خاندان کی بڑی شخصیت کی رضامندی یا تائید رہی ہے جو اس زمانہ کا امام اور واجب الاطاعت ہوا کرتا تھا۔

امام محمد تقی علیہ السلام کے زمانہ میں علویوں کے ذریعہ دو انقلاب وقوع پزیر ہوئے البتہ ان دونوں تحریکوں سے امامؑ پر کوئی منفی اثر نہ پڑا اور اس کی وجہ بھی یا یہ تھی کہ امام عظیم منزلت و مقام رکھتے تھے، ایک طرف تو وہ مامون کے داماد تھے اور دوسری طرف اس زمانہ میں اہل بیتؑ کو عوام کی توجہ حاصل تھی یا پھر ان انقلابات سے امام کا ربط ظاہر نہ ہوا تھا۔

پہلا انقلاب عبد الرحمٰن (۵۲) بن احمد بن عبد اللہ بن محمد بن عمر بن علی بن ابیطالب کے ہاتھوں شروع ہوا۔ انہوں نے یمن کے ایک شہر (عک) میں خلیفہ مامون کے کارندوں کی بد رفتاری و بد سلوکی کے خلاف انقلاب کا اعلان کیا وہ اپنے انقلاب میں ہمیشہ رضائے اہل بیتؑ کی تبلیغ

کرتے تھے۔لہذا لوگوں نے ان کی بیعت کی اور ان کے گرد جمع ہو گئے یہاں تک کہ مامون نے "دینار عبد اللہ" کی سرداری میں ایک بڑا لشکر انقلاب سے مقابلہ اور اسے خاموش کرنے کے لیے بھیجا ساتھ ہی انقلاب کے رہبر کے لیے ایک امان نامہ بھی روانہ کیا جسے انہوں نے قبول کیا اور عباسی حکومت کے ساتھ مدارا کیا کہ مورخین نے اس کی علت بیان نہیں کی ہے۔

دوسرا انقلاب محمد بن قاسم بن علی بن عمر بن حسین بن علی بن ابیطالبؑ کے ہاتھوں شروع ہوا۔انہوں نے فارس کے شہر طالقان میں انقلاب کی آواز بلند کی مورخین نے اس انقلاب اور اس انقلابی شخصیت کے بارے میں جو باتیں لکھی ہیں ان کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے :

ابو الفرج اصفہانی ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ لوگوں نے ان کو صوفی لقب دیا تھا کیونکہ وہ ہمیشہ سفید اونی لباس پہنتے تھے اور اہل علم و فقہ اور عالم دین تھے نیز بڑے متقی و پرہیز گار تھے۔(۵۳) طبری اپنی مشہور تاریخ میں اس انقلاب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ : ان ہی انقلابات میں سے محمد بن قاسم... کا انقلاب تھا جو خراسان (۵۴) کے شہر طالقان میں واقع ہوا جو لوگوں کو آل محمدؐ کی طرف دعوت دیتے تھے لہذا بہت سے لوگ ان کے گرد اکٹھا ہو گئے۔ان میں اور عبد اللہ بن طاہر کے سرداروں کے درمیان طالقان

کے پہاڑوں میں حوادث وجود میں آئے جس کے بعد وہ ان کے اصحاب شکست کھا کر خراسان کے ایک شہر کی طرف فرار کر گئے جس کے لیے پہلے سے خط و کتابت کر چکے تھے۔ (۵۵)

طبری نے مذکورہ مطلب لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ ایک شخص جو محمد بن قاسم کے چھپنے کی جگہ سے واقف تھا اس نے اس کی خبر شہر (نسا) کے حاکم کو دی۔ اس نے قاسم کو گرفتار کرا کے عبداللہ بن طاہر کے پاس بھیج دیا وہ انہیں معتصم کے پاس سامراء لے آیا وہاں انہیں ایک ایسے تنگ و تاریک قید خانہ میں قید کیا گیا جس کی لمبائی تین ہاتھ اور چوڑائی صرف دو ہاتھ تھی۔ تین روز کے بعد انہیں اس سے بڑے لیکن اس سے خوفناک قید خانہ میں ڈالا گیا کہ محمد بن قاسم آخر کار اس زندان کے روشندان سے فرار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ (۵۶)

ان انقلابی افراد کی دعوت پر غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ لوگ آل محمدؐ یعنی خاندان اہل بیتؑ کے امامؑ وقت کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے تھے اور ان میں سے کوئی بھی لوگوں کو اپنی امامت کی طرف نہیں بلاتا تھا۔ تاریخ اگرچہ ان دو انقلابوں سے امام جوادؑ کے ربط کو ظاہر نہیں کرتی لیکن اسلامی امت میں رضائے آل محمدؐ کی اصطلاح پر غور کرنے سے بات واضح ہو جاتی ہے۔

امام کی الٰہی سیاست

تاریخی سند کے عنوان سے امامؑ کی احادیث یا آپ کے تحریر کردہ خطوط نیز امام کے مقابلہ میں عباسی حکومت کے موقف، بحثوں اور تجزیوں پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام مخفی طور پر سیاسی و اعتقادی مسائل میں کلیدی حیثیت رکھتے تھے۔ خفیہ طور پر اپنے کام انجام دیتے تھے اور امت کی روح ان کے قائد و رہبر شمار ہوتے تھے۔ اس حقیقت کی وضاحت کے لیے ہم امامؑ کے خطوط کی عبارتیں پیش کر کے ان پر تبصرہ کریں گے تاکہ ان عبارتوں میں پوشیدہ حقائق کا انکشاف ہو سکے۔

۱ - خطوط :

حدیث، روایات، تاریخ اور سیرت کی کتابوں نے امامؑ کے بعض خطوط اپنے دامن میں محفوظ کر لیے ہیں جو انہوں نے اپنے اصحاب کو تحریر

فرمائے تھے یہ خطوط امامؑ اور ان کے اصحاب کی مخفی سیاسی جد و جہد کو واضح کرتے ہیں، ساتھ ہی یہ خطوط اس زمانہ کی فکری و سیاسی فضا پر بھی روشنی ڈالتے ہیں :

الف : " من المحمود بن عبد العزيز بن المهتدى القمى الاشعرى، خرج فيه عن ابى جعفرعليه السلام قبضت و الحمد لله، و قد عرفت الوجوه التى صارت اليك منها، غفر الله لك، و لهم الذنوب، و رحمناو اياكم "(۵۷)

امام علیہ السلام کے ایک خط میں آیا ہے : الحمد للہ، میں نے تمہارا خط دریافت کیا اور ان اشخاص کو پہچانا جو تم تک پہنچے تھے، خداوند عالم تمہارے اور ان کے گناہوں کو بخش دے نیز ہم پر اور تم پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

ب : " و عن الحسن بن مشمون قال: قرأت هذه الرسالة على علىّ بن مهزيار، عن ابى جعفر الثانى (يعنى الامام محمد الجواد) بخط: (بسم الله الرحمن الرحيم: يا على احسن الله جزاك، و اسكنك جنته، و منعك من الخزي فى الدنيا و الآخرة، و حشرك الله معنا، يا على! قد بلوتك و

خبرتك فی النصيحة، و الطاعة، و الخدمة، و التوقير، و القيام بما يجب عليك، فلو قلت: انی لم ار مثلك ، لرجوت ان اكون صادقاً، فجزاك الله جنات الفردوس نزلاً ، فما خفي علیّ مقامك، ولا خدمتك، فی الحر و البرد، فی الليل و النهار، فأسأل الله اذا جمع الخلائق للقيامة ان يحبوك برحمة تغتبط بها، انه سميع الدعاء "(۵۸)

حسن بن شمون کہتے ہیں کہ میں نے امام جواد علیہ السلام کا ایک خط جو آپ نے علی بن مہزیار کے نام تحریر فرمایا تھا پڑھا ہے ، خط میں لکھا ہوا تھا :

اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان انتہائی رحم کرنے والا ہے ، اے علی خدا تمہیں بہترین جزا عطا کرے ، جنت میں تمہیں جگہ عنایت کرے ، تم کو دنیا و آخرت کی ذلت سے دور رکھے اور ہمارے ساتھ محشور فرمائے۔اے علی میں نے تمہیں نصیحت ، اطاعت ، خدمت ، وقار اور فرائض کی انجام دہی میں آزمایا ، پس اگر میں کہوں کہ میں نے تمہارے جیسا کوئی شخص نہیں دیکھا تو امید ہے کہ صحیح کہا ہوگا ، خداوند عالم تمہیں فردوس کی جنتوں میں داخل کرے ، تمہارا مرتبہ اور تمہارے خدمات

گرمی، سردی اور شب و روز میں مجھ سے پوشیدہ نہیں ہیں، میں خدا سے چاہتا ہوں کہ قیامت کے روز جب تمام بندے جمع ہوں گے وہ تمہیں دوست رکھے اور تمہیں ایسی نعمت عطا فرمائے کہ دوسرے اس پر غبطہ کریں، بلاشبہہ خداوند عالم دعا کو سننے والا ہے۔

ج : " و عن علی بن ابراهیم، عن ابیه، قال: کنت عند ابی جعفر الثانی اذ دخل الیه صالح بن محمد بن سهل الهمدانی، و کان یتولی له فقال له: جعلت فداك اجعلني من عشرة الآف درهم فی حلّ فانّی انفقتها، فقال له ابو جعفر علیه السلام: انت فی حلّ .

فلما خرج صالح من عنده، قال ابو جعفر علیه السلام : احدهم یثب علی مال آل محمد(ص) و فقرائهم، و مساکینهم، أبناء سبیلهم فیأخذه، ثم یقول: اجعلنی فی حلّ، اتراه یظنّ بی انّی اقول له لا أفعل، والله لیسألنّهم الله یوم القیامة عن ذالك سوالاً حثیثاً " (۵۹)

علی بن ابراہیم اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا :

میں امام جوادؑ کی خدمت میں حاضر تھا کہ صالح بن محمد بن سہل ہمدانی جو امام کی طرف سے متولی تھا آپ کے پاس آیا اور عرض کیا، میں آپ پر فدا ہو جاؤں، دس ہزار درہم مجھے بخش دیجئے کیونکہ میں نے خدا کی راہ میں اسے انفاق کر دیا ہے، امام نے فرمایا : میں نے حلال کیا، اس کے جانے کے بعد امام نے فرمایا : ان میں سے ایک شخص آل محمدؐ، کے فقرا و مساکین مال کو حاصل کر کے اسے ہتھیا لیتا ہے اور کہتا ہے مجھے حلال کر دیجئے کیا اس کا خیال ہے کہ میں کہہ دوں کہ یہ کام نہیں کروں گا، خدا کی قسم خداوند عالم قیامت کے دن عنقریب اس سے باز خواست کرے گا۔

د : " عن ابراهيم بن مهزيار، عن علي بن مهذيار قال: كتب اليّ خيران: قد وجهت اليك ثمانية دراهم، كانت أهديت اليّ من طرسوس، دراهم منهم (مبهمة) و كرهت ان اردّها على صاحبها، أو أحدث فيها حدثاً، دون امرك، فهل تأمرني في قبول مثلها، اولا، لأعرفه، ان شاء الله تعالى، و انتهي الى امرك. فكتب و قرأته : اقبل منهم، اذا أهدى اليك دراهم، او غيرها، فان رسول الله (ص) لم يرد هدية على

يهودي و لا نصراني " (٦٠)

ابراہیم بن مہزیار علی بن مہزیار سے نقل کرتے ہیں کہ خیران (٦١) نے مجھے لکھا کہ میں نے تمہارے لیے آٹھ درہم روانہ کئے جو شہر طرطوس (٦٢) سے مجھے ہدیہ کئے گئے تھے۔ ان میں سے چند درہم مشکوک تھے کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ انہیں اس کے مالک کو پلٹاؤں یا انہیں آپ کی اجازت کے بغیر صرف کروں۔ آیا آپ حکم دیتے ہیں کہ اس جیسی رقومات قبول کروں یا واپس کردوں ؟ آپ کے نظریہ سے آگاہ ہونا چاہتا ہوں تاکہ انشاالله اس کے مطابق عمل کروں۔ علی بن مہزیار نے اس کے جواب میں لکھا (جو مجھے بھی دکھایا تھا) جب وہ لوگ درہم یا کوئی چیز تمہیں ہدیہ کریں تو انہیں قبول کر لو کیونکہ حضرت رسول خداؐ یہودیوں اور عیسائیوں کے ہدیہ کو بھی رد نہیں فرماتے تھے۔

٥ : " عن خيران الخادم قال:وجهت الى سيدي ثمانية دراهم، و ذكر مثله، سواء . و قال : جعلت فداك، انه ربما أتانى الرجل، لك قبله الحق، او قلت يعرف موضع الحق لك فيسألني عما يعمل به، فيكون مذهبي اخذ ما يتبرع فى سرّ، قال: اعمل فى

ذلك رأيك، فانّ رأيك رأيي ، و من أطاعك أطاعني
قال ابو عمرو : هذا يدل على انه كان وكيله "
خیران خادم نے کہا کہ میں نے آٹھ درہم اپنے آقا کو بھیجے اور عرض کیا میں آپ پر فدا ہو جاؤں ایک شخص میرے پاس آتا ہے اور اعتراف کرتا ہے کہ اس کی گردن پر آپ کا حق ہے اور وہ پوچھتا ہے کہ اس حق کا کیا کرے ؟
میرا خیال ہے کہ جو کچھ مخفی طور سے دیتا ہے لے لوں۔ فرمایا : اپنے نظریہ پر عمل کرو میری رائے وہی تمہاری رائے ہے اور جو تمہاری اطاعت کرے اس نے میری اطاعت کی ہے۔ ابو عمرو کہتے ہیں کہ یہ عبارت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ امامؑ کے نمائندے تھے۔)

و : و عن ابراهيم بن محمد قال: كتبت الى ابى جعفر (ع) أصف له صنع السميع بى، فكتب يخطه، عجل الله نصرتك ممن ظلمك، و كفاك مؤونته، و ابشر بنصر الله، عاجلاً ان شاء الله، و بالأجر آجلاً، و اكثر من حمد الله " (٦٣)

(ابراہیم بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد تقی علیہ السلام کو لکھا کہ جو کام سمیع نے میرے ساتھ انجام دیئے میں نے آپ

سے اس کی تفصیل بیان کر دی۔ امام نے اپنے خط سے مجھے یوں جواب دیا: خداوند عالم بہت جلد تم پر ظلم کرنے والے کے مقابلے میں تمہاری مدد کرے گا اور خدا کی نصرت تمہارے لیے کافی ہے میں تمہیں اللہ کی بہت جلد نصرت کی بشارت دیتا ہوں، خدا تمہیں آخرت میں جزائے خیر عطا کرے خدا کی زیادہ سے زیادہ حمد و ثنا کرو)

ز:" و عن ابراهيم بن محمد قال: و كتب اليّ – يعنى الامام الجواد، ابا جعفر الثانى، محمد بن على –: قد وصل الحساب، و تقبل الله منك، و رضي عنهم، و جعلهم معنا فى الدنيا والآخرة، و قد بعثت اليك من الدنانير بكذا، و من الكسوة بكذا، فبارك لك فيه، و فى جميع نعم الله اليك، و قد كتبت الى النضر، امرته أن ينتهي عنك، و عن التعرض لك، و لخلافك و اعلمته موضعك عندى، و كتبت الى ايوب امرته بذلك. ايضاً، و كتبت الى موالى بهمدان كتاباً أمرتهم بطاعتك، و المصير الى امرك، و ان لا وكيل سواك " (٦٤)

ابراہیم بن محمد سے نقل ہے کہ امام جواد علیہ السلام نے مجھے

یوں لکھا : تمہارا حساب پہنچا خداوند عالم تم سے قبول کرے اور ان لوگوں سے راضی و خوشنود ہو اور ان کو دنیا و آخرت میں ہمارے اور تمہارے ساتھ قرار دے۔ میں نے کچھ لباس اور دینار تمہارے لئے بھیجے ہیں، تمہیں مبارک ہو اسے اللہ کی نعمتوں میں شمار کرو۔ نضر کو بھی لکھا ہے اور اسے حکم دیا ہے کہ تم سے دوری اختیار کرے تمہیں پریشان نہ کرے اور تمہاری مخالفت بھی نہ کرے۔ میں نے اپنے نزدیک تمہارے مرتبہ کو اس سے بیان کیا ہے اور ایوب کو بھی لکھا ہے اور حکم دیا ہے اور ہمدان میں اپنے دوستوں کو بھی ایک خط لکھا اور انہیں حکم دیا ہے کہ تمہاری اطاعت کریں تمام امور تمہارے ذمہ ہیں اور تمہارے علاوہ میرا کوئی نمائندہ نہیں ہے۔)

ح : " عن احمد بن زكريا الصيدلانى، عن رجل من بنى حنيفة من أهل بست،و سجستان، قال: رافقت أبا جعفر، فى السنة التى حج فيها، فى أول خلافة المعتصم، فقلت، و أنا معه على المائدة، و هناك جماعة من أولياء السلطان: ان و الينا، جعلت فداك، رجل يتولاّ كم اهل البيت، و يحبكم، وعلىّ فى ديوانه خراج ، فان رأيت – جعلنى الله فداك – ان

تكتب اليه بالاحسان اليّ، فقال: لا اعرفه، فقلت: جعلت فداك انه على ما قلت من محبيكم اهل البيت، و كتابك ينفعني عنده، فأخذ القرطاس فكتب: بسم الله الرحمن الرحيم: اما بعد، فان موصل كتابي هذا، ذكر عنك مذهباً جميلا، و أنا لك من عملك ما أحسنت فيه، فأحسن الى اخوانك، و اعلم ان الله عز و جل سائلك عن مثاقيل الذّر و الخردل .

قال: فلما وردت سجستان، سبق الخبر الى الحسين بن عبد الله النيسابورى. و هو الوالى، فاستقبلنى على فرسخين من المدينة، فدفعت اليه الكتاب، فقبّله، و وضعه على عينيه، و قال لى، حاجتك؟ فقلت: خراج علىّ فى ديوانك، قال: فأمر، فطرحه عنّي، و قال: لا تؤدّ خراجاً، مادام لي عمل، ثم سألنى عن عيالى، فأخبرته بمبلغهم، فأمرلى و لهم بما يقوتنا، و فضلاً، فما ادّيت فى عمله خراجاً، مادام حياً، و لا قطع عنّى صلته حتى مات" (٦٥)

(قبیلہ بنی حنیفہ کا ایک شخص احمد بن زکریا صیدلانی جو سبت و سجستان (سیستان) کا رہنے والا تھا، اس سے نقل ہے کہ میں

معتصم کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں میں سفر حج میں امام جواد علیہ السلام کے قافلہ کے ہمراہ تھا۔ دستر خوان پر جب کہ سلطان کے دوستدار اور امراء بھی موجود تھے میں نے امامؑ سے عرض کیا : آپ پر فدا ہو جاؤں ، ہمارا حاکم ایک شخص ہے جو آپ اہل بیت کے دوستوں میں سے ہے اور میرے اوپر ٹیکس واجب الاداء ہے۔ اگر مناسب سمجھیں تو تحریر فرمادیں کہ میرے ساتھ نیکی کرے اور ٹیکس بخش دے۔ امام نے فرمایا : میں اسے نہیں پہچانتا میں نے عرض کیا : وہ آپ اہل بیتؑ کے دوستوں میں سے ہے اور آپ کی تحریر میرے لیے مفید ہو گی امام نے کاغذ لے کر تحریر فرمایا : **بسم الله الرحمن الرحيم ، اما بعد:** میرا خط لے جانے والے نے تمہارے مذہب کے بارے میں مجھ سے بیان کیا میں تمہارے نیک اعمال میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اپنے بھائیوں کے ساتھ نیکی کرو اور یہ جان لو کہ خداوند عالم بہت ہی چھوٹی چیزوں مثلا ہوا میں اڑنے والے ذرات اور رائی کے دانے کے برابر عمل کے بارے میں بھی سوال کرے گا۔

وہ شخص کہتا ہے ، جب میں سجستان میں داخل ہوا تو یہ خبر مجھ سے پہلے ہی حاکم حسین بن عبداللہ نیشاپوری کو ہو چکی تھی اور

وہ دو فرسخ تک میرے استقبال کو آیا تھا۔ میں نے خط اسے دیا، اس نے امام کے نامہ کو چوما اور اپنی آنکھوں سے لگایا اور کہا : اپنی حاجت بیان کرو ، میں نے کہا تمہارے دفتر میں میں مقروض ہوں حکم دو کہ اسے محو کر دیا جائے اس نے کہا : جب تک میں حاکم ہوں تمہیں ٹیکس ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس کے بعد اس نے میرے اہل و عیال سے متعلق دریافت کیا۔ میں نے ان کی تعداد بتائی اس نے میرا اور ان کا خرچ اضافہ کے ساتھ دیا اور جب تک وہ حاکم اور زندہ رہا میں نے ٹیکس ادا نہیں کیا اور زندگی کی آخری سانس تک اس نے مجھ سے رابطہ نہیں توڑا یہاں تک کہ مر گیا)

ط: " و عن علی بن ابراهیم عن ابیه، قال: (لما مات ابو الحسن، الرضا (ع)، حججنا، فدخلنا علی أبي جعفر (ع)، و قد حضر خلق من الشیعة، من کل بلد، لینظروا ألی أبی جعفر (ع). . . "(٦٦)

(علی بن ابراہیم اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا : جب امام رضا علیہ السلام نے دنیا سے رحلت فرمائی تو ہم حج پہ گئے اور امام جوادؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے ، ہم نے دیکھا کہ تمام شہروں سے شیعوں کا گروہ امامؑ کی خدمت میں جمع

ہے یہ لوگ امامؑ کے دیدار کو آئے تھے)

ی: " و فی کتاب لأبی جعفرالیه، الی علی بن مهزیار، ببغداد: قد وصل الیّ کتابك، و قد فهمت ما ذکرت فیه، و ملأتني سروراً فسرك الله، و أنا أرجو من الکافي، الدافع، أن یکفی کید کل کائد، ان شاء تعالیٰ" (٦٧)

(امام محمد تقی علیہ السلام کے ایک خط میں جو آپ نے علی بن مہزیار کو بغداد لکھا تھا آیا ہے کہ : تمہارا خط مجھ تک پہنچا، جو کچھ تم نے لکھا تھا اسے میں سمجھا، تم نے مجھے خوش کیا، خدا تم کو خوش کرے، امید ہے کہ خدا جو کافی اور دافع ہے انشاء اللہ تم سے ہر حیلہ گر کے حیلہ کو دور کرے)

ك: " و فی کتاب آخر الی علی بن مهزیار:و قد فهمت ما ذکرت من أمر القمّیین،خلّصهم الله، و فرج عنهم! و سررتني بما ذکرت من ذالك، و لم تزل تفعل! سرك الله بالجنة، و رضی عنك برضائي عنك! و أنا أرجو من الله حسن العون و الرأفة، و أقول حسبنا الله، و نعم الوکیل "(٦٨)

(علی بن مہزیار کو لکھے امام کے ایک اور خط میں آیا ہے کہ تم نے

جو اہل قم کے بارے میں لکھا ہے اسے میں سمجھا خدا انھیں مشکلوں سے نجات عطا کرے۔ اگر کوئی نئی خبر ہو تو اس سے مجھے خوشحال کرو خدا تمہیں جنت کے ذریعہ خوش کرے اور میری خوشنودی کی وجہ سے تم سے راضی ہو، میں خدا سے مدد اور مہربانی کی امید رکھتا ہوں اور یہ کہتا ہوں کہ خدا ہمارے لئے کافی ہے اور بہترین وکیل و سرپرست ہے)

ل: " و فی کتاب آخر الی علی بن مهزیار ایضاً: و أسأل الله أن یحفظك، من بین یدیك، و من خلفك، و في كل حالاتك، فابشر، فاني أرجو ان یدفع الله عنك! و أسأل الله أن یجعل لك الخیرة فیما عزم لك به علیه من الشخوص یوم الأحد، فأخر ذلك الی یوم الاثنین ان شاء الله، صحبك الله في سفرك،و خلّفك في أهلك و أدی غیبتك (أووادّعی عنك أمانتك) و سلمت بقدرته ."(٦٩)

(ایک اور خط میں امامؑ نے علی بن مہزیار کو تحریر فرمایا: میں خدا سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ تمھیں ہر جہت سے اور تمام حالات میں محفوظ رکھے۔ امید ہے کہ خداوند عالم بلا کو تم سے دور کرے، میں خدا سے چاہتا ہوں کہ جو خداوند عالم نے

تمہارے لیے مقرر کیا ہے کہ یکشنبہ کو روانہ ہو تو خداوند عالم اسے تمہارے لیے خیر قرار دے پس اسے دوشنبہ پر ٹال دو۔ انشااللہ خدا سفر میں تمہارے ہمراہ ہو اور تمہارے خاندان میں تمہارا جانشین ہو تمہاری دوری کا جبران کرے اور اپنی قدرت سے تمہیں صحیح وسالم رکھے)

م : " و عن عبد العزيز، أحد أصحاب الامام الرضا(ع)، أو عمن رواه عنه، قال: (كتبت اليه: انّ لك معي شيئاً، فمرني بأمرك فيه، الى من أدفعه؟ فكتب: اني قبضت ما فى هذه الرقعة – و الحمد لله– و غفر الله ذنبك، ورحمنا و ايّاك، و رضى الله عنك برضاي عنك ." (۷۰)

عبد العزیز سے نقل ہے کہ امام رضا علیہ السلام کے ایک صحابی نے اس سے کہا کہ میں نے امامؑ کو لکھا کہ آپ کی کچھ امانت میرے پاس ہے اسے میں کس کے حوالے کروں ؟امام نے تحریر فرمایا :جو کچھ اس رقعہ میں تھا میں نے قبول کیا تمام حمد و ثنا خداوند عالم کے لیے مخصوص ہے خدا تمہارے گناہوں کو بخشے اور تمہارے و ہمارے ساتھ مہربان ہو اور میری رضاو خوشنودی کی وجہ سے تم سے راضی ہو۔)

ن:" و عن احـــمد بن محـــــمد بن عيسى، القمي: ... فقال لي: يا أبا علي، ليس على مثل أبي يحيى يعجل، و قد كان من خدمته لأبي (ع) و منزلته عنده، عندى من بعده، غير أنّي أحتجت الى المال الذي عنده، فقلت: جعلت فداك، هو باعث اليك بالمال، و قال لي: ان وصلت اليه، فأعلمه انّ الذى منعنى من بعث المال، اختلاف ميمون و مسافر، فقال: احمل كتابى اليه، و مره ان يبعث اليّ بالمال ! فحملت كتابه الى زكريا، فوجّه اليه بالمال، قال: فقال لى ابو جعفر(عليه السلام) ابتداء منه: ذهبت الشبهة، ما لأبي ولد غيرى، فقلت: صدقت جعلت فداك. " (۱۷)

(احمد بن محمد بن عیسی قمی سے نقل ہے کہ امام جواد علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: اے ابو علی! ابو یحیی جیسے شخص کے بارے میں سخت رفتاری نہیں کرنا چاہیئے وہ میرے پدر بزرگوار اور ان کے بعد میرے نزدیک منزلت و مقام رکھتے ہیں لیکن جو مال ان کے پاس ہے اس کی مجھے ضرورت ہے میں نے امام سے عرض کیا: آپ پر فدا ہو جاؤں وہ آپ کے پاس مال بھیجیں گے

اور انہوں نے مجھ سے کہا ہے کہ اگر حضرتؑ کے پاس پہنچو تو انہیں آگاہ کرنا کہ مال نہ بھیجنے کی وجہ میمون اور مسافر کا اختلاف ہے۔

پس آپ نے فرمایا : میرا خط انہیں پہنچاؤ اور حکم دو کہ وہ مال میرے پاس بھیجیں۔ میں نے خط زکریا کو پہنچایا۔ اس نے مال امام کے پاس بھیج دیا۔ امام ابو جعفرؑ (امام محمد تقیؑ) نے مجھ سے فرمایا : شبہہ دور ہو گیا۔ میں نے عرض کیا : آپ پر فدا ہو جاؤں، سچ فرمایا۔)

س : " قال ابراهيم بن محمد، بن حاجب: قرأت في رقعة مع الجواد (ع) يعلم من سأل عنه اليساري: أنّه ليس في المكان الذي ادّعاه لنفسه، و أن لا تدفعوا اليه شيئاً. " (۷۲)

ابراہیم بن محمد بن حاجب کا بیان ہے کہ میں نے امام کے پاس ایک کاغذ دیکھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ سوال کرنے والا کوئی شخص ہے جو (امام کے حکم سے) جگہ جگہ جاتا ہے۔ میں نے اس رقعہ میں پڑھا کہ امام نے لکھا تھا : وہ جیسا دعوی کرتا ہے ویسا نہیں ہے۔ اسے کوئی چیز نہ دو۔)

اب ہم ان خطوط کو بغور پڑھیں ان کا تجزیہ و تحلیل کریں اور ان

کے مطالب کی دستہ بندی کریں اور ان کے الفاظ کی تہ میں چھپے ہوئے ان معانی کو سمجھیں جن سے اس زمانہ کی سیاسی، اجتماعی، اعتقادی فضا کا اندازہ ہو سکے اور یہ معلوم ہو کہ امام جوادؑ اپنے دور میں کس طرح سیاسی، فکری اجتماعی کردار ادا کرتے تھے۔

مامون اور معتصم کے زمانہ میں جب کہ حالات کچھ نرم تھے امامؑ نے مخفی طور پر عباسی حکومت کی حقیقت ظاہر کرنے کے لیے کون سی روش اپنائی..

اس طرح امامؑ نے آئندہ نسل کے لیے عباسی امراء کے طرز کو ظاہر کیا اور بتایا کہ یہ حکام اہل بیتؑ کی سیاسی و فکری روش اور امت کے قلب پر اہل بیتؑ کی حکومت کے خلاف تھے۔ ان خطوط کا تجزیہ کرنے سے ہمیں کچھ حقائق معلوم ہوتے ہیں جو یہاں ذکر کئے جاتے ہیں :

۱- یہ کہ امامؑ مخفی طور پر تمام اسلامی شہروں کی سیاسی و اعتقادی قیادت و رہبری فرماتے تھے اور پوری توجہ اور استقامت کے ساتھ اس کی نگرانی فرماتے تھے... اس نکتہ کو ان بہت سے خطوط کے اندر جو مختلف علاقوں میں آپ کے نمائندوں کی طرف سے آپ کے پاس آتے تھے یا امامؑ انہیں تحریر فرماتے تھے بخوبی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے مثلا : نامہ (د) کی عبارت جس میں آیا ہے "وہ درہم جو شہر طرطوس سے مجھے ہدیہ کیے گئے تھے"

نامہ (د) کی ایک اور عبارت کہ "ان سے قبول کرلو"

نامۂ (و) کی عبارت "جو کام سمیع نے میرے ساتھ انجام دیئے تھے میں نے اس کی تفصیل امام سے بیان کردی"

نامۂ (ھ) کی عبارت "ایک شخص میرے پاس آتا ہے اور اعتراف کرتا ہے کہ اس کی گردن پر آپ کا حق ہے"

نامۂ (ز) کی عبارت "اور خدا ان لوگوں سے راضی و خوشنود ہو"

نامۂ (ح) کی عبارت "یہ خبر مجھ سے پہلے حاکم حسین بن عبداللہ نیشاپوری کو ہو چکی تھی"

نامۂ (ط) کی عبارت "تمام شہروں کے شیعوں کا گروہ امامؑ کی خدمت میں موجود ہے"

نامۂ (ک) کی عبارت "جو کچھ تم نے اہل قم کے بارے میں لکھا میں اسے سمجھا، خدا انھیں مشکلوں سے نجات دے"

نامۂ (س) کی عبارت "معلوم ہوتا تھا کہ سوال کرنے والا کوئی مسافر ہے"

ان جیسے خطوط سے اہل بیتؑ کی تحریک کی وسعت، گہرائی اور گیرائی اور نظم و ضبط کا پتا چلتا ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ امام پیہم سیاسی و فکری جدوجہد میں مشغول رہے۔

۲- تحریک کو مخفی رکھنا نیز اپنے سیاسی موقف اور فتوؤں کے بیان اور منتقل کرنے میں اپنے وکیلوں اور نمائندوں پر اعتماد کرنا، روش اہل بیتؑ کی طرف لوگوں کو دعوت دینا اور ان کی سیاسی و فکری امامت وولایت کی ترویج کرنا یہ باتیں ان خطوں کی عبارتوں کے اندر پوشیدہ مطالب سے بخوبی ظاہر ہوتی ہیں جیسا کہ حسب ذیل بعض جملوں سے معلوم ہوتا ہے مثلا :

نامۂ (ج) کی عبارت "ان کے متولی تھے"

یا یہ عبارت کہ "وہ جو مخفی طور پر دیتا ہے لے لوں (یا اس کی پوستین میں لے لوں جیسا کہ بعض نسخوں میں آیا ہے"

یا یہ عبارت کہ "میرا نظریہ وہی تمہارا نظریہ ہے" اور وہ عبارت کہ "یہ عبارت دلالت کرتی ہے کہ وہ امام کے نمائندہ ہیں" جیسا کہ نامہ (ھ) میں آیا تھا۔

یا نامۂ (ز) کی عبارت کہ "میں نے حکم دیا کہ وہ تمہاری اطاعت کریں ساری چیز تمہارے ذمہ ہے اور تمہارے علاوہ میرا کوئی نمائندہ نہیں ہے"

یا نامۂ (ی) کی عبارت "جو کچھ تم نے لکھا تھا اسے میں سمجھ گیا"

یا نامۂ (ک) کی عبارت "جو کچھ تم نے اہل قم کے لئے بیان کیا تھا میں سمجھا"

یا وہ عبارت "میرے پاس آپ کی امانت ہے بتایئے میں اسے کس کے حوالے کروں" جیسا کہ نامۂ (م) میں آیا ہے۔

یا نامۂ (ن) کی عبارت "میرا خط اسے پہنچاؤ اور اسے حکم دو کہ وہ مال میرے پاس بھیج دے"

اور نامۂ (س) کی عبارت "وہ اس حد تک نہیں ہے جس قدر دعویٰ کر رہا ہے"

مذکور بالا جملے اور اشارے جو ان خطوں میں نظر آتے ہیں اس دور میں امامؑ، ان کے اصحاب اور نمائندوں و دوستوں کی جدو جہد کے عکاس ہیں یہ بھی پتا چلتا ہے کہ اس دور میں ہمارے ائمہؑ کے لئے حالات کچھ زیادہ سخت نہ تھے۔

۳- تیسری حقیقت جو ان خطوں سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کے پیروؤں اور نمائندوں کی جانب سے امامؑ تک اموال پہنچتے تھے اور امامؑ ان اموال کو فکری، سیاسی اور سماجی امور میں صرف کرتے تھے، یہ بات مذکورہ خطوں کی بعض عبارتوں سے معلوم ہوتی ہے مثلاً امامؑ کا ارشاد کہ "میں نے دریافت کیا"- "حمد و ثنا صرف خدا سے مخصوص ہے"- "اور ان اشخاص کو میں نے پہچانا جن کے ذریعہ تم تک پہنچا"، جیسا کہ نامہ (الف) میں آیا ہے اصحاب امامؑ میں سے ایک شخص کی تحریر کہ "دس ہزار درہم مجھے

بخش دیجئے" جیسا کہ نامۂ (ج) میں آیا ہے۔ یانامۂ (ھ) میں امامؑ کے ایک صحابی کا جملہ کہ "ان سے لے لوں جو مخفی طور سے دیتے ہیں"

نامہ (ز) میں امامؑ کا ارشاد کہ "حساب میرے پاس پہنچا" یا "فلاں مقدار دینار تمہارے لیے بھیجے ہیں" یاامام کے ایک صحابی کی تحریر کہ "آپ کا کچھ مال میرے پاس ہے بتایئے میں اسے کس کے حوالہ کروں ؟ یا "جو کچھ اس کاغذ میں تھا مجھے مل گیا" جیسا کہ نامۂ (م) میں آیا ہے۔

یانامۂ (ن) کی عبارت کہ امام نے فرمایا..... "اسے حکم دو کہ مال میرے پاس بھیج دے"

مذکورہ عبارتوں سے امامؑ کے اپنے اصحاب سے گہرے روابط کا پتا چلتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح مختلف شہروں سے آپ کے پاس مال بھیجے جاتے تھے تاکہ امام اس سے ضرورتیں پوری کریں، ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امامؑ کے پاس سچے اصحاب کی ایک جماعت اور مخفی طور پر فکری وسیاسی مرکز موجود تھا۔

البتہ عباسی حکومت ان امور اور ان کے نتائج پر نظر رکھتی تھی اور مختلف طریقوں سے انہیں روکنے کی کوشش کرتی رہتی تھی تاکہ کہیں یہ تحریکیں آگے بڑھ کر موثر واقع نہ ہوں۔ لیکن ان خطوں سے پتا چلتا ہے کہ ان کوششوں، رعب ووحشت اور اضطراب کے باوجود اہل بیتؑ کی طرف

دعوت کی تبلیغ اور امت اسلامی پر اس کے گہرے اثر نیز اہل بیتؑ کے فکری و سیاسی اثرات کا سلسلہ جاری رہا ہے۔

اسی طرح ان خطوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ امامؑ اپنی جدو جہد کے لیے کن روشوں کو بروئے کار لاتے تھے اور علمی سیاسی و فکری اعتبار سے کس مرکزیت کے حامل تھے جس کے نتیجہ میں مامون اہل بیتؑ کی ہر دلعزیزی کے مقابلہ میں خود کو ناکام پاتا تھا۔

البتہ یہ سیاسی و فکری تحریک کا سلسلہ جس میں بہت سے علماء اور راویوں کی تربیت ہوئی تھی صرف امام جوادؑ کے ذریعہ ہی وجود میں نہیں آیا تھا بلکہ امام جوادؑ نے اس کی قیادت امام رضاؑ سے حاصل کی تھی اور انھوں نے بھی یہ قیادت اپنے پدر بزرگوار امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے پائی تھی اور یہ سلسلہ حضرت امیر المومنینؑ تک جاتا ہے۔ امام محمد تقی علیہ السلام کے بعد بھی اس روش اور قیادت کا سلسلہ حضرت امام مہدیؑ تک پہنچتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم امام جوادؑ کے اصحاب کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں ان میں بہت سے افراد امام رضاؑ بلکہ امام موسیٰ کاظمؑ کے اصحاب بھی نظر آتے ہیں۔

۲ - وصیتیں اور روایتیں:

وہ تاریخی اسناد جو امامؑ کی سیاسی جدو جہد کو ہمارے سامنے نمایاں

کرتی ہیں وہ روایتیں، وصیتیں اور نصیحتیں ہیں جو امامؑ نے اپنے اصحاب سے بیان فرمائیں تاکہ انھیں اسرار کو مخفی رکھنے، سنجیدہ اور سوچ سمجھ کر عمل کرنے اور جد و جہد کرنے کی ترغیب دیں اور ماضی میں اہل بیتؑ کے ماننے والوں اور انقلابیوں سے جو کوتاہیاں ہوئی ہیں انھیں نہ دہرائیں۔

ذیل میں ہم ان بعض روایتوں اور وصیتوں کا ذکر کرتے ہیں جن کے ذریعہ امامؑ نے پیراوان اہل بیتؑ کے مشکلات اور کمزوریوں کو بر طرف فرمایا ہے:

۱- امام جوادؑ اپنے آبائے کرام کے ذریعہ حضرت علی علیہ السلام کی ایک وصیت نقل کرتے ہیں جو آپ نے قیس بن سعد بن عبادہ سے فرمائی تھی جب وہ مصر کی طرف روانہ ہو رہے تھے:

" یاقیس ان للمحسن آخریات، لابد ان ینتهی الیها، فیجب علی العاقل ان ینام لها الی ادبارها، فان مکابدتها بالحیلة عند اقبالها، زیادة فیها... " (۷۳)

(اے قیس نیکوکار انسان کے لئے نتائج ہیں جو اس تک پہنچ کر رہتے ہیں لھذا عقلمند کے لئے سزاوار ہے کہ دنیا کے منہ موڑنے تک انھیں ہمیشہ زیر سر رکھے (ان پر تکیہ کرے) اس لئے کہ زمانہ کی سختیوں کو تدبیر اور نیکیوں میں اضافہ کے ذریعہ

بر طرف کیا جاتا ہے.....)

۲-امام جوادؑ نے فرمایا:

"و من امّل انساناً هابه، ومن جهل شيئاً عابه والفرصة خلسة" (۷۴)

(جو شخص کسی انسان کو عاجز کر دیتا ہے اس سے ڈرتا ہے اور جو شخص کسی چیز کو نہیں جانتا اس کے عیب بیان کرتا ہے اور فرصت (چرالی جانے والی) جلدی گزر جانے والی ہے)

۳-امام محمد تقی علیہ السلام نے فرمایا:

" العامل بالظلم و المعين عليه و الراضي به شركاء"(۷۵)

(ظلم کرنے والا اور اس کا مددگار اور اس پر راضی رہنے والا سب باہم شریک ہیں)

۴-امام نے فرمایا:

" يوم العدل على الظالم ، اشد من يوم الجور على المظلوم . " (۷۶)

(ظالم پر عدالت کے اجر کا دن مظلوم پر ستم کرنے کے دن سے کہیں زیادہ سخت ہے۔)

۵-امام جواد علیہ السلام نے فرمایا:

"من اخطأ وجوه المطالب خذلته وجوه الحيل" (۷۷)

(جو شخص راہ طلب میں خطا سے کام لے اسے تدبیر کی راہیں ذلیل کر دیتی ہیں۔)

۶-امام محمد تقی علیہ السلام نے فرمایا:

" ... ثلاث من كن فيه لم يندم ، ترك العجلة و المشورة و التوكل على الله " (۷۸)

(جس شخص میں تین صفتیں ہوں وہ پشیمان نہیں ہوتا اس میں جلدبازی نہ ہو وہ مشورہ کرتا ہو اور اللہ پر بھروسہ کرتا ہو۔)

۷-امام علیہ السلام نے فرمایا:

" لو سكت الجاهل ما اختلف الناس " (۷۹)

(اگر جاہل ساکت و خاموش رہے تو لوگوں میں اختلاف پیدا نہ ہو۔)

۸-امام جواد علیہ السلام نے فرمایا:

" مقتل الرجل بين فكيه، و الرائى مع الاناة و بئس الظهير الرأى القصير الرأى الفطير "(۸۰)

(انسان کی قتل گاہ اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان ہے صحیح رائے اور نظریہ بردباری کے ہمراہ ہے اور ناپختہ اور ناقص فکر

بری اور تنگ نظری کے مرادف ہے۔)

۹-امام محمد تقی علیہ السلام نے فرمایا:

" لا تعالجوا الامر قبل بلوغه، فتندموا " (۸۱)

(کسی بھی مسئلہ کا علاج اس کے وقت سے پہلے نہ کرو ورنہ پشیمان ہو گے۔)

۱۰-امام جواد علیہ السلام کا ارشاد ہے:

" اظهار الشئی قبل ان یستحکم مفسدة له "(۸۲)

(استحکام سے پہلے کام کو ظاہر کر دینا خرابی کا باعث ہوتا ہے)

۱۱-امام محمد تقی علیہ السلام فرماتے ہیں:

" اوحی الله الی بعض الأنبیاء اما زهدك فی الدنیا، فتعجلك الراحة ، و اما انقطاعك الیّ فیعززك بی ، و لکن هل عادیت لی عدوا، و والیت لی ولیاً ." (۸۳)

(خداوند عالم نے انبیاء میں سے ایک نبی کو وحی کی کہ تمہارا دنیا سے ناتہ توڑنا تمہاری راحت و آسائش کے لیے تھا اور مجھ سے رشتہ جوڑنا تمہاری عزت کے لیے تھا (اور یہ سب کچھ تم نے اپنے لیے کیا) لیکن کیا میرے لیے کسی دشمن سے دشمنی کی اور میرے لئے کسی دوست سے دوستی کی؟)

۱۲-امام جواد علیہ السلام نے فرمایا:

" المومن یحتاج الی توفیق من الله و واعظ من نفسه
و قبول ممن ینصحة " (۸۴)
(مومن اللہ کی توفیق باطنی واعظ و ناصح اور نصیحت قبول کرنے
کی حس کا محتاج ہے)

ان نصیحتوں اور گذشتہ خطوط سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امامؑ اپنے اصحاب اور پیروؤں کو ایک عظیم مکتبی اور سیاسی کام کے لیے آمادہ کرنا چاہتے تھے لہذا آپ حسب ذیل مسائل کی ضرورت پر تاکید کیا کرتے تھے :

۱- سیاسی حادثات کے موقعوں پر احتیاط سے کام لینا، عقل کو بروئے کار لانا اور سنجیدگی سے عمل کرنا اور کسی طرح کے رد عمل سے پرہیز کرنا، سخت حالات میں اس طرح استقامت سے کام لینا کہ دشمن اپنے مقصد تک نہ پہنچ سکے۔ امام اس سلسلے میں قیس بن سعد کے لیے حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کی وصیت کا ذکر فرماتے ہیں اور اسے دہرا کر یہ چاہتے ہیں کہ ان کے اصحاب اس سے سبق حاصل کریں اور ماضی میں اصحاب ائمہ جن لغزشوں کا شکار ہوئے ہیں ان سے بچیں۔

۲- امام عالی مقام اپنے اصحاب سے تاکید کرتے ہیں کہ فرصت جلد گذر جانے والی ہے لہذا فرصت اور موقع کو غنیمت سمجھنا چاہیئے۔ اپنے خیالات کو عام کرنے اور سیاسی تحریکوں کو گہرائی بخشنے میں ہر موقع سے

فائدہ اٹھانا چاہیئے ۔ اس کے علاوہ مذکورہ وصیت میں تربیت کا پہلو بھی موجود۔

۳-امامؑ اپنے اصحاب سے توجیہ کرتے ہیں کہ سیاسی حادثات کا خوبی مقابلہ کرنا چاہیئے اور عمل کے لئے مناسب راہ کا انتخاب کرنا چاہیئے اس نکتہ کی طرف حدیث نمبر ۵ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

۴-امامؑ نے روایات نمبر ۶-۸-۹ اور ۱۰ میں یہ کوشش کی ہے کہ انقلابیوں اور اپنے ماننے والوں کی سیاسی مشکلات کو دور کریں اور وہ ہے کاموں میں جلدبازی اور شرائط و حالات کے آمادہ ہونے سے پہلے وارد عمل ہونا۔ امام چاہتے ہیں کہ ان کے اصحاب ایسی غلطی نہ کریں کہ کہیں ان کی کوششیں برباد نہ ہو جائیں۔

۵-امامؑ روایات نمبر ۸ اور ۱۰ کے ذریعہ اسرار کو پوشیدہ رکھنے اور زیادہ باتیں کرنے سے روکنے کی تاکید کرتے اور اپنے اصحاب سے فرماتے ہیں کہ انسان کی قتل گاہ اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان ہے اور فرماتے ہیں کہ کام مستحکم ہونے سے پہلے اس کا اظہار کام کو خراب کر دیتا ہے۔

۶-روایات نمبر ۳، ۴ اور ۱۱ کے ذریعہ امامؑ یہ کوشش کرتے ہیں کہ اپنے چاہنے والوں کی ایسی تربیت کریں کہ وہ ظلم اور ظالموں کے مقابل استقامت و پائداری رکھ سکیں اور ہمیشہ ان کے دشمن ہوں نیز اللہ کے

چاہنے والوں اور حق وعدالت کے منادیوں سے دوستی رکھیں تاکہ یہ جذبات ان کے یہاں محکم اور عملی شکل اختیار کر سکیں۔

۷-امامؑ روایات ۶-۸ اور ۱۲ کے ذریعہ اپنے اصحاب کو یہ تاکید کرتے ہیں کہ مشورہ کی روش کو اہمیت دیں دوسروں کے نظریات وخیالات سے بھی فائدہ اٹھائیں اور ان کی نصیحتوں کو قبول کریں اور تجربات سے فائدہ اٹھائیں تاکہ غلطیوں سے محفوظ رہیں اور در پیش مسائل وحالات کو گہری علمی نظر سے دیکھیں۔

علویوں کے انقلابات کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ ان کی تحریکیں ابتدا سے آخر تک مشکلات کا شکار رہی ہیں اور پیشوایان اہل بیتؑ نے بڑی کوششیں کی ہیں کہ ان بیمار تحریکوں کا (جن میں سے بہت سی فساد وتباہی کی راہ پر لگ گئیں) علاج کریں... ہمیں اس طرح کے اقوال ائمہ معصومینؑ کے یہاں امیر المومنینؑ سے لیکر امام رضا علیہ السلام تک نظر آتے ہیں اور امام جواد علیہ السلام اور ان کے بعد بقیہ ائمہ نے بھی ایسا ہی کیا۔ البتہ ان تحریکوں میں پیدا ہونے والی بیماریاں مختلف تھیں لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ امام جواد علیہ السلام علویوں کے تمام تجربات سے گفتگو کرتے ہیں اور ان کی روشنی میں اپنے ماننے والوں کی تربیت کرتے اور ان کے اشتباہات کی تصحیح فرماتے ہیں کہ وہ دوبارہ غلطیوں کا شکار نہ ہوں۔

۳-امام جوادؑ کے مقابل مامون اور معتصم کی روش:

امام محمد تقی علیہ السلام کے مقابلے میں دو عباسی خلفاء مامون اور معتصم کی روش کا جائزہ لینے سے امامؑ کی قیادت و رہبری کی اہمیت اور عوام میں آپ کی ہر دلعزیزی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ چونکہ لوگ امامؑ کو امامت اہلبیتؑ کا بہترین نمونہ اور انکے اجداد کا جانشین سمجھتے تھے لہذا ان کی طرف میلان اور جھکاؤ رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ مامون ۲۱۱ھ میں آپ کو مدینہ سے بلاتا ہے اور اپنی بیٹی ام الفضل سے آپ کی شادی کر دیتا ہے اور اس شادی کی وجہ سے وہ بنی عباس کے دوسرے امراء سے لڑ بھی لیتا ہے کیونکہ اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس شادی کے ذریعہ وہ امام کو زیر نظر رکھے اور ان کی فکری سیاسی تحریکوں پر قابو رکھے لیکن جیسا کہ ہم نے دیکھا امامؑ نے اس کے برعکس عمل کیا.... اور اپنی جد و جہد کو پوری توجہ اور استحکام کے ساتھ برقرار رکھا جو موقع بھی پیش آتا تھا آپ اپنی تحریک کو مزید قوی کرتے جاتے تھے... آخر کار آپ نے بغداد کو ترک کر دیا، تاکہ حکومت کی توجہ اور نگرانی سے دور رہیں اور اپنی جائے پیدائش اجداد کے مسکن، مرکز علم و فکر اور دلوں کی پناہ گاہ یعنی مدینہ میں آکر قیام کیا تاکہ

مومنین کی امامت ورہبری کا فریضہ انجام دے سکیں۔

خوش قسمتی سے تاریخی کتابوں نے عباسیوں کی وحشت کے ذریعہ امام کی شخصیت اور رہبری سے پردہ اٹھایا ہے اور اس حقیقت کو امام سے ام الفضل کی شادی کے دوران اور عباسی امراء کے درمیان چپقلش کے ذریعہ بیان کیا ہے۔

شیخ مفید مامون سے عباسیوں کی گفتگو کو اس طرح نقل کرتے ہیں :

مامون نے جب امام جوادؑ کی عظمت وبرتری اس کمسنی میں دیکھی اور یہ سمجھ لیا کہ وہ علم وحکمت، ادب اور عقل میں اپنے زمانے کے بزرگوں سے بھی افضل ہیں تو ان کا مشتاق ہوا اور اپنی بیٹی ام الفضل کی شادی آپ سے کر دی اور اس کے ہمراہ بڑے احترام کے ساتھ امامؑ کو مدینہ روانہ کر دیا...(۸۵)

اس کے بعد دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ :جب امام محمد تقی علیہ السلام ام الفضل کے ہمراہ بغداد سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور راہ باب الکوفہ پر پہنچے تو لوگوں نے بڑی تعداد میں آپ کو رخصت کیا۔(۸۶)

مذکورہ بالا جملوں میں ہم خلیفہ اور امت کے نزدیک امام کی منزلت اور آپ کی سیاسی وسماجی حیثیت کو بخوبی درک کرتے ہیں۔ اسی طرح آپ کے مقابل خلیفہ کا ایک سیاسی وسماجی روش اپنانا اور عباسی امراء کی مخالفت کے باوجود اپنی بیٹی سے آپ کی شادی کرنا خود آپ کی خاص سیاسی وسماجی

اہمیت کا عکاس ہے۔

اور اگر ایسا نہ ہوتا تو مامون ہرگز اپنے عباسی بھائیوں سے مجادلہ نہ کرتا اپنے عمل پر اصرار نہ کرتا اور امامؑ کے لیے علمی مقابلہ کرانے کی عباسیوں کی پیشکش کو قبول نہ کرتا ہم آئندہ گفتگو میں دیکھیں گے کہ عباسیوں کے ذہن پر امامؑ کی سیاسی و علمی اور قائدانہ شخصیت کا کس قدر خوف اور رعب چھایا ہوا تھا۔ شیخ مفید اس گفتگو کو یوں نقل کرتے ہیں۔

ابان بن شبیب کہتے ہیں کہ جب مامون نے امام جواد علیہ السلام سے اپنی بیٹی ام الفضل کا رشتہ کرنا طے کر لیا تو یہ خبر عباسیوں کو ہوئی انہیں یہ بات بری لگی اور ان کو یہ خوف ہوا کہ کہیں بات امام رضا علیہ السلام کے قضیہ کی طرف دوبارہ نہ پیش آئے لہذا انہوں نے مامون سے کہا: اے امیر امام رضا علیہ السلام کے بیٹے سے اپنی بیٹی کی شادی مت کیجئے کیونکہ ہمیں ڈر ہے کہ اس کام کے ذریعہ جو حکومت خدا نے ہمیں دی ہے ہمارے ہاتھ سے جاتی رہے اور جو عزت و آبرو ہمیں ملی ہے خاک میں مل جائے۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ ماضی قریب میں ہمارا اور ان لوگوں کے ساتھ کیسا سلوک رہا ہے اور آپ سے پہلے خلفائے راشدین نے ان کی کیسی جلاوطنی اور تحقیر کی ہے۔ ہم اس سے پہلے بھی امام رضا علیہ السلام کے ساتھ آپ کے سلوک پر خوف زدہ تھے یہاں تک کہ خداوند عالم نے اس اہم امر میں ہماری مدد کی۔

بس خدا کے لیے ہم سب کو مصیبت میں گرفتار نہ کریں اور امام رضا علیہ السلام کے بیٹے کے بجائے اس شادی کے لیے اپنے خاندان سے کسی اور کو چن لیجئے۔

مامون نے جواب دیا کہ جو کچھ تمہارے اور آل ابو طالب کے درمیان پیش آیا اس میں تم لوگ ہی قصوروار تھے۔ اگر انصاف سے کام لو تو وہ تم سے زیادہ لائق وسزاوار تھے۔(۸۷)

یہ محکم سند رہبری کے سلسلہ میں عباسیوں کی وحشت کو بخوبی ظاہر کرتی ہے۔ اگر امامؑ میں علمی و سیاسی قوت اور امت کی سرپرستی کی صلاحیت نہ ہوتی تو ان میں یہ خوف ووحشت پیدا ہی نہ ہوتی....

ڈونالڈسن نام کے ایک مستشرق نے عباسیوں کے اس خوف و وحشت کو یوں بیان کیا ہے "خلیفہ مامون کی بیٹی سے امامؑ کی شادی کے ایک سال بعد خلیفہ نے امامؑ کو اجازت دیدی کہ اپنی بیوی کے ہمراہ مدینہ جاکر وہاں قیام فرمائیں اس بات سے تمام عباسی متفق تھے کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ امامؑ کو بلند مرتبہ ملے اور خاص احترام کیا جائے"(۸۸)

مامون کی موت کے بعد اور معتصم کی حکومت کے آغاز میں یہ خلیفہ بھی اپنے بزرگوں کی طرح اہل بیتؑ کی امامت اور ان کے علمی وسیاسی مرتبہ سے ہراساں تھا لہذا اس نے امام کی عظمت اور ان کی ہر دلعزیزی سے

خوفزدہ ہو کر ۲۱۹ھ میں حضرت کو مدینہ سے بغداد بلوالیا تاکہ وہ حکومت کی نظر میں رہیں اور اپنی علمی وسیاسی جدوجہد سے محروم ہو جائیں

مدینہ سے بغداد آکر امام زیادہ دنوں اس دنیا میں نہ رہے اور ۲۲۰ھ میں رحلت فرما گئے۔

ابن شہر آشوب اس بارہ میں لکھتے ہیں: "جب معتصم کی لوگوں نے بیعت کرلی تو اس نے امامؑ کی دلجوئی کی اور عبدالملک زیات کو لکھا کہ امامؑ کو ام الفضل کے ہمراہ مدینہ سے اس کے پاس روانہ کر دے زیات نے علی بن یقطین کو امامؑ کی خدمت میں بھیجا۔ امامؑ بغداد آگئے معتصم نے آپ کا احترام کیا اور (آشناس) کے ذریعہ آپ کے اور ام الفضل کے پاس تحفے بھیجے" (۸۹)

بعض مورخین لکھتے ہیں کہ "معتصم زہر کے ذریعہ امام کے قتل کا مرتکب ہوا۔ ابن بابویہ اس بارہ میں لکھتے ہیں کہ "معتصم نے امام جواد علیہ السلام کو زہر سے شہید کیا" (۹۰)

یہ قابل اطمینان تاریخی اسناد اس بات کی روشن گواہ ہیں کہ اپنی کمسنی کے باوجود امامؑ کتنا اہم سیاسی کردار رکھتے تھے اور آپ کی رہبری و امامت اس دور میں کیسی تھی۔ امام کی سیاسی روش اہل بیتؑ کے پیشواؤں کی سیاسی روش کی عکاس تھی اور اس بات کو ظاہر کرتی تھی کہ یہ حضرات مختلف وسائل کے ذریعہ اور مختلف حالات میں کس طرح اسلام کا دفاع

کرتے تھے۔ لہذا ائمہ علیہم السلام کی زندگیوں سے مسلمانوں کو ایسے بہت سے سبق ملتے ہیں جو ظاہر کرتے ہیں کہ پیش آنے والے واقعات و حادثات میں انہیں کون سی روش اپنانی چاہیئے۔

عروج جاوداں :

بے شمار مثبت تاریخی آثار اور علمی و سیاسی جدوجہد سے بھری ہوئی اپنی پچیس سالہ زندگی میں آپ نے رحلت فرمائی۔ آپ پانچ ذی الحجہ ۲۲۰ھ کو بغداد میں شہید ہوئے اور اپنے جد بزرگوار امام موسی کاظم علیہ السلام کے پہلو میں قبرستان قریش میں دفن ہوئے۔ شہر کاظمین میں آپ کا حرم مبارک حضرت کی روحانی عظمت کا آئینہ دار اور زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

حضرت کے کچھ ارشادات :

ائمہ طاہرین سے نقل ہونے والی روایات کو قدیم علماء و محققین بڑی اہمیت کی نگاہ سے دیکھتے تھے یہ ارشادات حکمت و نصیحت ہدایات کا خزانہ ہوا کرتے تھے جو انسان اور معاشرہ کی تربیت میں بڑے کام آتے تھے۔ اہل بیتؑ سے جو چیزیں نقل ہوئی ہیں دو طرح کی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حضرات اقوال پیغمبر اسلامؐ کو پوری دقت اور امانت کی رعایت کے ساتھ امت سے نقل کرتے تھے اور دوسرے خود ان شخصیتوں کے اقوال ہوتے تھے جن کا تعلق بھی کتاب خدا اور سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ہوتا تھا اور وہ ان ہی دونوں کی روشنی میں اسلامی امت کے افکار کو عروج و کمال عطا کرتے تھے۔

ذیل میں ہم امام عالی مقام کے کچھ ارشادات نقل کرتے ہیں جو یقیناً صاحبان ایمان اور طالبان حق کے لئے مشعل راہ ہوں گے۔

۱-امام جوادؑ سے نقل ہے کہ آپ نے فرمایا :

" اعلم انك لن تخلو من عين الله ، فانظر كيف تكون . . . ؟ "

(جان لو کہ تم کسی وقت بھی خدا کی نگاہوں سے دور نہیں ہو (یعنی وہ ہمیشہ تمہیں دیکھ رہا ہے)پس یہ دیکھو کہ تم کیسے ہو...؟)

۲-امامؑ نے فرمایا:

" اوحى الله الى بعض انبيائه : امّا زهدك فى الدنيا فتعجلك الراحة، و امّا انقطاعك اليّ فيعززك بي، و لكن هل عاديت لي عدواً، و واليت لى ولياً ؟ "

(خداوند عالم نے اپنے ایک پیغمبر کو وحی کی کہ دنیا سے تمہارا زہد و پرہیز ایک ایسی آسائش و راحت ہے جس کی طرف تم دوڑے اور مجھ سے وابستگی ایسی عزت ہے جو تمہیں حاصل ہوئی لیکن کیا تم نے میرے لئے کسی دشمن سے دشمنی کی اور میرے لئے کسی دوست سے دوستی کی ؟)

۳- " و روى انه حمل اليه (برّ) له قيمة كثيرة، فسلّ فى الطريق، فكتب اليه الذى حمله اليه يعرّفه الخبر، فوقّع بخطه : ان انفسنا و اموالنا من مواهب الله الهنيئة ، و عواريه المستودعة، يُمتّع بما متّع منها

فی سرور و غبطة ، و یاخذ ما اخذ منها فی اجر و حسبة، فمن غلب جزعه علی صبره حبط اجره، و نعوذ بالله من ذالك "

(روایت ہوئی ہے کہ قیمتی کپڑوں کا ایک بار امام کی خدمت میں لے جایا جارہا تھا راستہ میں ڈاکوؤں نے اسے لوٹ لیا اسے لانے والے نے امامؑ کو خط کے ذریعہ سے باخبر کیا تو حضرتؑ نے اپنے ہاتھوں سے تحریر فرمایا : ہماری جان اور ہمارے مال خداوند کا عطیہ اور اس کی امانت ہیں جسے وہ چاہتا ہے مسرت و خوشی کے ساتھ نوازتا ہے اور جسے چاہتا ہے اجر و ثواب کے عوض لے لیتا ہے۔ بس جس کی بیتابی اس سے صبر چھین لے اس نے اپنے اجر و ثواب کو پامال کیا اور میں اس سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں)

۴-امام محمد تقی علیہ السلام نے فرمایا :

" من شهد امراً فکرهه، کان کمن غاب عنه و من غاب عن امر فرضیه کان کمن شهده "

(جو کسی کام کا مشاہدہ کرے جس سے کراہت کرتا ہو وہ غائب کے مانند ہے اور جو غائب ہو لیکن اس عمل پر راضی ہو وہ حاضر کے مانند ہے)

یہ مضمون ان احادیث کے ہی مانند ہے جن میں یہ مفہوم ہے کہ جو شخص کسی قوم کے عمل سے راضی ہو ان ہی کا جزو شمار ہو گا اور ان ہی کے ہمراہ جزا یا سزا پائے گا۔

۵-امام جوادؑ نے فرمایا:

" تاخیر التوبة اغترار، و طول التسویف حیرة، و الاعتلال علی الله هلکة، و الاصرار علی الذنب امن لمکر الله (فلا یأمن مکر الله الا القوم الخاسرون "

(توبہ میں تاخیر کرنا غرور ہے، اس پر باقی رہنا حیرت ہے اور اللہ کے معاملہ پر آج کل کرنا ہلاکت ہے اور گناہ پر اصرار کرنا مکر خدا میں گرفتار ہونا "اور مکر خدا میں خسارہ اٹھانے والوں کے علاوہ کوئی گرفتار نہیں ہے")

۶- نقل ہے کہ ایک ساربان حضرتؑ کو مدینہ سے کوفہ لے گیا۔ اگرچہ حضرتؑ نے اسے چار سو دینار اجرت دی پھر بھی وہ اپنی مزدوری پر آپ سے بحث کر رہا تھا تو آپ نے فرمایا:

" سبحان الله، اما علمت انه لا ینقطع المزید من الله حتی ینقطع الشکر من العباد "

(سبحان اللہ کیا تم نہیں جانتے کہ جب تک بندوں کا شکر قطع نہیں ہوتا خدا کی عطا نہیں رکتی۔)

۷-امامؑ نے فرمایا:

" اربع خصال تعين المرء على العمل: الصحة و الغنى و العلم و التوفيق "

(چار چیزیں انسان کو عمل میں مدد دیتی ہیں: صحت و سلامتی بے نیازی، علم اور توفیق)

۸-امامؑ نے فرمایا:

" العلماء غرباء لكثرة الجهال بينهم "

(علماء اجنبی اور تنہا ہیں کیونکہ ان کے اردگرد جاہلوں کی کثرت ہے۔)

۹-امامؑ نے فرمایا:

" لو سكت الجاهل ما اختلف الناس "

(اگر جاہل افراد خاموش رہیں تو لوگوں میں اختلاف ہی نہ ہو)

۱۰-امامؑ کا ارشاد ہے:

" من استحسن قبيحاً كان شريكاً فيه "

(جس نے برے عمل کو اچھا سمجھا گویا وہ اس بد عملی میں شریک ہے۔)

۱۱-امامؑ نے فرمایا:

"كفر النعمة داعية المقت، و من جازاك بالشكر فقد

اعطاك اكثر مما اخذ منك "

(نعمت کے مقابل ناشکری نفرت انگیز ہے اور جس نے (تمہارے عمل کے عوض) تمہارا شکریہ ادا کیا اس نے تمہاری محنت سے زیادہ تمہیں عطا کیا ہے۔)

۱۲-امامؑ فرماتے ہیں :

" لا تفسد الظن على صديق قد اصلحك اليقين له، من وعظ اخاه سراً، فقد زانه و من وعظه علانيةً، فقد شانه. "

اپنے قابل اطمینان دوست کے لیے برائی کا گمان نہ کرو۔ جو شخص اپنے دینی بھائی کو تنہائی میں نصیحت کرتا ہے اسے زیور اخلاق سے آراستہ کرتا ہے اور جو شخص اپنے دینی بھائی کو آشکار اور سب سے سامنے نصیحت کرتا ہے وہ اس کی توہین کرتا ہے)

۱۳-امامؑ نے فرمایا :

" من آمن فاجراً كان ادنى عقوبته الحرمان . "

(جس شخص نے کسی فاسق و فاجر کو امان دی اس کی سب سے معمولی سزا محرومیت ہے۔)

۱۴-امامؑ نے فرمایا :

" موت الانسان بالذنوب، اکثر من موته بالاجل.و حیاته بالبر، اکثر من حیاته بالعمر. "

(انسان کی موت اس کی اجل کے مقابلہ میں اس کے گناہوں کے ذریعہ کہیں زیادہ ہوتی ہے۔اور نیک کاموں کے ذریعہ اس کی زندگی اس کی طبیعی عمر سے کہیں زیادہ طویل ہوتی ہے۔)

و الحمد لله رب العالمين .

تمت بالخير

حوالے

(۱)شیعہ و سنی روایات کے مطابق یہ آیت، حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ، امام حسنؑ اور امام حسین علیہ السلام کے بارے میں ہے۔

(۲)مزید اطلاع کے لئے صحیح ترمذی، ج ۲-مناقب اہل بیتؑ ص ۳۰۸-درالمنثور سیوطی اور دوسری کتابیں ملاحظہ ہوں۔

(۳) تفسیر کبیر فخر رازی، تفسیر سورۂ شوریٰ آیت ۲۳۔

(۴)غایۃ المرام، تفسیر آیہ مذکور۔

(۵)ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ، تحریر: محب الدین طبری، ص ۲۵۔

(۶)احیاء المیت بفضائل اہل بیتؑ تالیف: سیوطی، چاپ بیروت وفا، ص ۸-اصل کتاب میں جو عربی میں ہے دوسرے مدارک بھی موجود ہیں طویل ہونے کے خوف سے ہم ان کو ترک کر رہے ہیں۔

(۷)احیاء المیت، تالیف: سیوطی حدیث نمبر ۴۴ نقل از طبرانی از ابن عباس۔

(۸)احیاء المیت تالیف: سیوطی حدیث نمبر ۴۶۔

(۹)ترمذی، ج ۲، ص ۳۸۰، مستدرک حاکم ج ۳، ص ۱۰۹ مسند

حنبل ج ۳، ص ۱۷، معجم کبیر، ج ۱، ص ۱۲۹۔

(۱۰) بحار الانوار، ج ۲۴، ص ۱۷۸۔

(۱۱) سنن ابن ماجہ، ج ۲، ص ۱۳۶۶۔

(۱۲) مقاتل الطالبین، تالیف : ابو الفرج اصفہانی، ص ۵۳۹۔

(۱۳) کافی، ج ۲ از تصحیح بہبودی، ص ۵۶۔

(۱۴) تاریخ بغداد، ج ۳، ص ۵۴۔

(۱۵) کافی، جلد اول، ص ۴۹۲۔

(۱۶) کشف الغمہ، ج ۳، ص ۱۵۲۔

(۱۷) عیون اخبار الرضا علیہ السلام، ج ۲، ص ۲۴۰۔

(۱۸) عیون اخبار الرضاؑ، ج ۲، ص ۸۔

(۱۹) بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۱۰۳۔

(۲۰) تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۱۲۴۔

(۲۱) تفصیل کے لیے کتاب الغدیر اور شیعہ و سنی کی بہت سی کتابیں دیکھیں۔

(۲۲) تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۲۵۴۔

(۲۳) کامل بن اثیر - نقل از کتاب جہاد الشیعہ، تالیف : سمیرہ مختار لیثی، ص ۲۱۸۔

(۲۴)مقاتل الطالبین، ص ۳۵۷ نقل از جہاد الشیعہ، ص ۱۵۶۔

(۲۵)گزشتہ حوالہ ۔

(۲۶)تاریخ بغداد، ج ۱، ص ۱۷ نقل از جہاد الشیعہ ص ۲۲۲۔

(۲۷)تاریخ طبری، ج ۲، ص ۱۹۰، الامامہ والسیاسۃ ج ۳، ص ۸۱

(۲۸)مروج الذہب، ج ۳ ، ص ۳۲۲۔

(۲۹)مقاتل الطالبین، ص ۵۳۹۔

(۳۰) الفصول المہمۃ فی احوال الائمہ ص ۲۵۷ از ابن صباغ مالکی۔

(۳۱)احمد بن موسی امام رضا علیہ السلام کے بھائی ہیں اور غالبًا یہ وہی ہیں جو شیراز میں دفن ہیں اور شاہ چراغ کے نام سے مشہور ہیں۔

(۳۲)سورہ مریم/ ۱۱ ۔

(۳۳)اشارہ مباہلہ کے واقعہ کی طرف ہے جس میں پیغمبر اکرمؐ امام حسنؑ امام حسینؑ نیز حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کو لے کر آئے تھے تاکہ نصاریٰ (عیسائیوں) کے علماء سے مباہلہ کریں۔ جب علمائے نصاریٰ نے یہ منظر دیکھا تو مباہلہ کرنے سے انکار کر دیا اور جزیہ دینا قبول کر لیا۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی تھی :" **فقل تعالوا ندع ابنائنا و ابنائکم و نساء نا و نسائکم و انفسنا و انفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین** "(سورہ آل عمران/ ۶۱)

یعنی :(پس کہہ دیجئے اے رسولؐ کہ ہم اپنے بیٹوں کو لاتے ہیں تم اپنے بیٹوں کو لاؤ ہم اپنی عورتوں کو لاتے ہیں تم اپنی عورتوں کو ہم اپنے نفسوں کو لاتے ہیں تم اپنے نفسوں کو پھر مباہلہ کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں)

(۳۴) فصول المختارۃ من العیون و المحاسن ، چاپ چہارم ص ۲۵۶، مولف : شیخ مفید (محمد بن نعمان، عکبری بغدادی متوفی ۴۱۳ھ)

(۳۵) بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۹۹۔

(۳۶) بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۲۱۔

(۳۷) بحار الانوار، ج ۵۰ ص ۳۵۔

(۳۸) عیون اخبار رضاؑ، ج ۲، ص ۲۴۰۔

(۳۹) بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۲۴۔

(۴۰) الفصول المہمہ فی احوال الائمہ۔ از ابن صباغ مالکی۔

(۴۱) مرحوم شیخ نے اپنی کتاب رجال میں لکھا ہے کہ علی بن جعفر امام موسی کاظمؑ کے بھائی جلیل القدر اور مورد اطمینان تھے آپ نے مناسک رسائل کی ایک کتاب مرتب کی ہے اور جو کچھ امام موسی کاظمؑ سے سوال کیا اس میں لکھا ہے۔ شیخ مفید کہتے ہیں کہ آپ اتنے صاحب فضل و کمال تھے کہ حتی دو آدمیوں نے بھی آپ کے بارے میں اختلاف نہیں کیا ہے۔

(۴۲)بحار الانوار، ج۵۰، ص۳٦۔

(۴۳)فصول المہمہ فی احوال الائمہ، ص۲٦۸۔

(۴۴)تاریخ بغداد، ج۳، باب " من اسمه محمدواسمه ابیه علی" نمبر ۷۷۹۔

(۴۵)جن کے بارے میں پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا ہے کہ میں شہر علم ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں پس جو شہر میں داخل ہونا چاہے وہ دروازہ سے داخل ہو۔

(۴٦)علم رجال کے ایک بڑے عالم جن کی کتاب بنام رجال نجاشی مشہور ہے۔

(۴۷)رجال شیخ طوسیؒ۔

(۴۸)الفہرست، از شیخ طوسیؒ۔

(۴۹)الفہرست، از شیخ طوسیؒ۔

(۵۰)الفہرست، از شیخ طوسیؒ۔

(۵۱)تاریخ طبری، ج۷، ص۱۷۷۔

(۵۲)تاریخ طبری، ج۷ وقائع سال ۲۰۷۔

(۵۳)مقاتل الطالبین، ص۳۸۲۔

(۵۴)بظاہر اس زمانہ میں ایران کو خراسان بھی کہتے تھے اور

طالقان وہی مشہور شہر ہے جو کرج اور قزوین کے درمیان واقع ہے۔

(۵۵) تاریخ طبری، ج ۷ حوادث سال ۲۱۹۔

(۵۶) ابو الفرج اصفہانی نے محمد بن قاسم اور ان کے انقلاب سے متعلق تفصیل لکھی ہے، مزید اطلاع کے لئے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

(۵۷) غیبۃ، از شیخ طوسی ص ۲۲۵، و بحار الانوار، ج ۵۰ ص ۱۰۴

(۵۸) بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۱۰۵ و غیبۃ از شیخ طوسی ص ۲۲۶

(۵۹) بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۱۰۵ و غیبۃ، ص ۲۲۷

(۶۰) بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۱۰۷ واختیار معرفۃ الرجال (رجال کشی) ص ۶۱۰ حدیث (۱۱۳۳)

(۶۱) خیران وہی خادم قراطیس ہے جس کے لئے شیخ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ: وہ ثقہ، قابل اطمینان اور امام علی نقیؑ کے اصحاب میں سے ہیں "برقی" نے بھی ان کا ذکر کیا ہے آپ نے امام ہادیؑ اور امام ابی الحسنؑ سے روایت نقل کی ہے۔ معجم رجال الحدیث، ج ۷، ص ۱۸۳

(۶۲) طرطوس، شام کی سرحدوں پر ایک شہر ہے جو انطاکیہ، حلب اور روم کے شہروں کے درمیان واقع ہے۔ عبد اللہ مامون الرشید کی قبر وہیں ہے، کیونکہ وہ جنگ کے لئے وہاں گیا تھا وہیں پر اس کی موت واقع ہو گئی لہٰذا وہیں دفن کیا گیا۔ معجم البلدان، ج ۴، ص ۲۸۔

(۶۳) بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۱۰۸، و رجال کشی، ص ۶۱۱ حدیث/ ۱۱۳۴-۱۱۳۵۔

(۶۴) بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۱۰۹۔

(۶۵) بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۸۶۔

(۶۶) بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۸۵۔

(۶۷) رجال کشی، مطبوعہ موسسۂ آل البیت، ص ۸۲۶ حدیث/ ۱۰۴۰۔

(۶۸) رجال کشی، ص ۸۲۶ حدیث/ ۱۰۴۰۔

(۶۹) اختیار المعرفۃ الرجال (رجال کشی) ص ۵۵۰ حدیث/ ۱۰۴۰۔

(۷۰) رجال کشی، ص ۵۰۶ حدیث/ ۹۷۵۔

(۷۱) رجال کشی، ص ۵۹۶ حدیث/ ۱۱۱۵۔

(۷۲) رجال کشی ص ۶۰۶ حدیث/ ۱۱۲۸۔

(۷۳) الفصول المہمہ فی معرفۃ احوال الائمہ از ابن صباغ مالکی، امام جواد علیہ السلام کے حالات میں۔

(۷۴) گزشتہ حوالہ۔

(۷۵) گزشتہ حوالہ۔

(۷۶) گزشتہ حوالہ۔

(۷۷) الفصول المہمہ فی معرفۃ الاحوال الائمہ، حالات امام جواد علیہ السلام

(۷۸) گزشتہ حوالہ۔

(۷۹) گزشتہ حوالہ۔

(۸۰) گزشتہ حوالہ۔

(۸۱) گزشتہ حوالہ۔

(۸۲) تحف العقول، مواعظ امام جواد علیہ السلام۔

(۸۳) گزشتہ حوالہ۔

(۸۴) گزشتہ حوالہ

(۸۵) ارشا، ص ۳۱۹ تا ۳۲۲۔

(۸۶) ارشاد، ص ر ۳۱۹ تا ۳۲۲۔

(۸۷) ارشاد، ص ۳۲۰۔

(۸۸) ڈونالڈسن نقل از دائرۃ المعارف عتبات مقدسہ، بخش امام کاظم علیہ السلام جلد اول، طبع اول ص ۲۳۲۔

(۸۹) مناقب ابن شہر آشوب ج ۴-بحار الانوار ج ۵۰، ص ۱۷۔

(۹۰) مناقب ابن شہر آشوب، ج ۴-بحار الانوار ج ۵۰، ص ۱۷۔